شمارہ نمبر3　　　جنوری2009　　　محرم الحرام ۱۴۳۰

فقه السنہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

((انّ عمر بن الخطّاب رضی اللّٰہ عنہ قال للرّکن : أما واللّٰہ انّی لأعلم أنک حجر ، لا تضرّ ولا تنفع ، ولولا أنی رأیت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم استلمک ما استلمتک ، فاستلمہ ، ثمّ قال : ما لنا وللرّمل ؟ انّما کنّا راء ینا المشرکین ، وقد أھلکھم اللّٰہ ، ثمّ قال : شیئ صنعہ النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ، فلا نحبّ أن نترکہ))

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رکن (حجرِ اسود) سے مخاطب ہو کر فرمایا، یقیناً میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نفع ونقصان کا مالک نہیں، اگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا، پھر آپ نے اس کو بوسہ دیا، پھر فرمایا، ہمیں رمل سے کیا واسطہ تھا، ہم تو صرف مشرکین کو دکھانے کے لیے ایسا کرتے تھے، اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا ہے، پھر فرمایا، یہ ایسا کام ہے جسے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، لہٰذا ہم اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔''

(صحیح بخاری : ۱٦۰۵، صحیح مسلم : ۱۲۷۰)

۱☆ (صرف) طوافِ (قدوم کے پہلے تین چکروں میں) حج وعمرہ کے اندر ''رمل'' (کندھے اکڑا کر تیز تیز اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چلنا) سنتِ نبوی ہے۔

فائدہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول ''یہ رمل سنت نہیں ہے'' (صحیح مسلم : ۱۲٦٤، سنن أبی داؤد : ۱۸۸۵) کا مطلب یہ ہے کہ یہ واجبی اور فرضی سنت نہیں ہے کہ جس کے بغیر حج نہ ہو سکے۔

۲☆ (صرف طوافِ قدوم کے پہلے تین چکروں میں) اضطباع (احرام کی چادر دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا) جائز ہے، جیسا کہ روایت (مسند الامام أحمد : ۱/٤۵، سنن أبی داؤد : ۱۸۸۷، سنن ابن ماجہ : ۲۹۵۲، صحیح ابن خزیمہ : ۲۷۰۸، وسندہٗ حسن) ہے: **فیم الرّملان الیوم والکشف عن المناکب**

۳☆ حجرِ اسود کی فضیلت کا ثبوت ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: ((الحجر الأسود من الجنّۃ ، وکان أشدّ بیاضا من الثّلج ، حتی سوّدتہ خطایا أھل الشّرک))

''حجرِ اسود جنت سے آیا ہے، یہ برف سے زیادہ سفید تھا، مشرکین کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔'' (مسند الامام أحمد : ۱/۳۰۷، وسندہٗ حسن)

نیز فرمایا: ((لولا ما مسّه من أنجاس الجاهليّة ما مسّه ذوعاهة الّا شفيٰ وما على الارض شيئ من الجنّة غيرها))

''اگر اسے جاہلیت کی نجاستیں نہ لگی ہوتیں تو جو بھی مصیبت زدہ اسے چھوتا، نجات پاتا، نیز اس کے علاوہ جنت کی کوئی چیز روئے زمین پر موجود نہیں۔'' (السّنن الكبرٰى للبيهقى: ٧٥/٥، وسندهٗ صحيح)

اور فرمایا: ((ليبعثنّ اللّٰه الحجر يوم القيامة ، له عينان يبصر بهما ولسان ينطق به ويشهد على من استلمه بحقّ))

''اللہ تعالیٰ حجرِ اسود کو روزِ قیامت یوں اٹھائے گا کہ اس کی دیکھتی دو آنکھیں اور بولتی زبان ہوگی، وہ اپنے چومنے والے مسلمان کے حق میں گواہی دے گا۔'' (مسند الامام أحمد: ١/ ٣٠٧، وسندهٗ حسن)

۴ ☆ اللّٰهُ اَكْبَر کہہ کر (صحيح بخارى: ١٦١٣) طواف میں حجرِ اسود کو بوسہ دینا سنت اور مستحب ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور اس سے چمٹ گئے اور کہا، میں نے دیکھا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بہت چاہتے تھے۔ (صحيح مسلم: ١٢٧١)

فائدہ: ایک روایت میں ہے: وهو يمين اللّٰه الّتى يصافح بها خلقه.

''یہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے مصافحہ کرتا ہے۔''

(مسند الامام أحمد: ٢/ ٢١١عن عبداللّٰه بن عمرو، صحّحه ابن خزيمة: (٢٧٣٧)والحاكم (١/ ٤٥٧)

یہ سند ''ضعیف'' ہے، اس میں عبداللہ بن المومل راوی ''ضعیف الحدیث'' ہے۔ (التّقريب: ٣٦٤٨)

اس کی دوسری سند (تاريخ بغداد: ٦/ ٣٢٨، الكامل لابن عدى: ١/ ٣٤٢) ''موضوع'' (من گھڑت) ہے، اس میں اسحاق بن بشیر ''کذّاب'' ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: الحجر الأسود يمين اللّٰه فى الأرض.

''حجرِ اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔'' (غريب الحديث لابن قتيبة: ٢/ ٩٦، تاريخ مكّة للأزرقى: ١/ ٣٢٤، قال ابن حجر: هذا موقوف صحيح (المطالب العالية: ٣٧/٢)) یہ قول جمیع سندوں کے ساتھ ''ضعیف'' ہے۔

۵ ☆ بوسہ صرف حجرِ اسود کے لیے مشروع ہے۔

۶ ☆ پتھر نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔

فائدہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

یا أمیر المؤمنین انّه یضرّ وینفع. ''اے امیرالمؤمنین! یہ نفع ونقصان دیتا ہے۔''

(مستدرك الحاکم: ١/ ٤٥٧ـ٤٥٨، شعب الایمان للبیهقی: ٣٧٤٩)

یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے، اس میں ابوہارون العبدی راوی ''کذاب'' ہے۔

٧☆ حجرِ اسود کو بوسہ اس کی تعظیم کی بنا پر نہیں، بلکہ اتباعِ سنت کی بنا پر دیا جاتا ہے۔

فائدہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: **لو لم یکن الحجر من البیت ما طفت .**

''اگر حجرِ اسود بیت اللہ کا حصہ نہ ہوتا تو میں اس کا طواف نہ کرتا۔''

(مسند عمر بن الخطّاب لأبی بکر أحمد بن سلمان النّجّاد: ١٨، وسندهٗ حسن)

٨☆ حجرِ اسود کو ''رکن'' کہنا بھی صحیح ہے، اس لیے کہ یہ کعبہ کے کونے میں نصب ہے۔

٩☆ بے جان چیز کو خطاب کر کے حاضرین کو سنانا جائز ہے۔ ١٠☆ عام گفتگو میں قسم اٹھانا جائز ہے۔

١١☆ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اطاعتِ رسول کے جذبۂ مبارکہ سے سرشار تھے۔

١٢☆ کبھی کبھی عدمِ فعل عدمِ مشروعیت کی دلیل ہوتا ہے۔

١٣☆ امورِ دینیہ کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ان پر عمل ہونا چاہیے۔

١٤☆ نومسلم یا کمزور ایمان والوں کے سامنے شرعی امور کی حکمت بیان کرنا مفید ونافع ہے۔

١٥☆ شرک کے شبہ تک سے دور ہونا چاہیے۔

١٦☆ جس چیز کا بوسہ شرعاً مشروع نہ ہو، اسے چومنا مکروہ ہے۔

١٧☆ اتباعِ سنت میں غلبۂ اسلام کے لیے قوت وطاقت کا مظاہرہ مستحسن ہے۔

١٨☆ ایک کام جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی علّت کے پیشِ نظر کیا، وہ علّت مرتفع ہو جانے کے بعد بھی ہمیشہ سنت کے درجہ پر ہوگا۔

١٩☆ عمل میں ریاکاری اس وقت مذموم ہوتی ہے، جب وہ لوگوں کی موجودگی میں دکھاوے کی غرض سے ہو، عدمِ موجودگی میں وہ عمل نہ کیا جائے۔

٢٠☆ نبیٔ اکرم ﷺ کے دورِ مبارک میں اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا تھا اور شرک وکفر نیست ونابود ہو گیا تھا۔

٢١☆ یہ حدیث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت پر زبردست دلیل ہے۔

اعمال ایمان میں داخل ہیں

غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری

سلف صالحین اور ان کے مخالف مُرجی (حنفی) فرقہ میں ایمان کے مسائل میں سب سے زیادہ اختلاف اسی مسئلہ میں تھا کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں یا نہیں، اسلاف یعنی صحابہ وتابعین کا مذہب یہ تھا کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے، وہ اس سے مراد دل کا قول وعمل، زبان کا قول اور اعضاء کا عمل لیتے تھے۔

مرجئہ (حنفیہ) کا کہنا ہے کہ ایمان صرف دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے، اعمال ایمان میں داخل نہیں، بلکہ اس کے ثمرات ہیں، اسی مؤقف کی وجہ سے وہ ایمان میں کمی وبیشی اور استثنا کے منکر ہوئے۔

جوں ہی یہ بدعت امت میں ظاہر ہوئی، سلف صالحین اور اہلِ ارجاء کے مابین اختلاف ونزاع کا سلسلہ چل نکلا، سلف صالحین نے مرجئہ کے قول کو باطل ثابت کیا اور ان کو بدعتی وگمراہ قرار دے کر امت کو ان کے شنیع مذہب سے دور کیا۔

حافظ ابنِ رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أنكر السّلف على من أخرج الأعمال عن الايمان انكاراً شديداً .

''سلف صالحین نے ان لوگوں پر سخت نکیر کی، جنہوں نے ایمان سے اعمال کو خارج کیا۔

(جامع العلوم والحكم : ٢٤،٢٣)

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مرجئہ کے نزدیک ایمان ایک ہی چیز ہے، اس کے اجزاء نہیں، جبکہ سلف صالحین کے نزدیک ایمان قول وعمل سے مرکب ہے۔

حافظ ابنِ قیّم رحمہ اللہ (٦٩١-٧٥١) سلف کا مذہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الايمان حقيقة مركّبة من معرفة ما جاء به الرّسول والتّصديق به عقدا والاقرار به نطقاً والانقياد له محبةً وخضوعاً والعمل به باطناً وظاهراً وتنفيذه والدّعوة اليه بحسب الامكان وكماله في الحبّ لله والمنع لله .

''ایمان رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی معرفت، دل سے ان کی تصدیق، زبان سے اقرار، محبت وانکساری سے اطاعت، ظاہری و باطنی طور پر عمل، ان کے نفاذ اور حسبِ استطاعت ان کی طرف دعوت

سے مرکب ہے، نیز ایمان کا کمال اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اسی کے لیے نفرت میں مضمر ہے۔(الفوائد : ۱۹۶)

ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔٧٢٨) مرجئہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقالت المرجئة والجهميّة : ليس الايمان الّا شيئاً واحداً لا يتبعّض ، امّا مجرّد تصديق القلب كقول الجهميّة ، أو تصديق القلب واللّسان كقول المرجئة .....وجماع شبهتهم فى ذٰلک أنّ الحقيقة مركّب تزول بزوال بعض أجزائها ، كالعشرة ، فانّه اذا زال بعضها لم تبق عشرة ، وكذٰلک الأجسام المركبة .

''مرجئہ اور جہمیہ کہتے ہیں کہ ایمان ایک ہی چیز کا نام ہے، اس کے اجزاء نہیں، جہمیہ کے نزدیک وہ صرف تصدیقِ قلبی ہے اور مرجئہ کے نزدیک دل اور زبان کی تصدیق کا نام ہے، ان کا اصل اعتراض (ایمان کے مرکب ہونے پر) یہی ہے کہ مرکب چیز ایک جزو کے ختم ہونے سے زائل ہو جاتی ہے، جیسے 'دس' ایک مرکب حقیقت ہے، اگر 'ایک' بھی پیچھے ہٹ جائے تو دس باقی نہیں رہتے، اسی طرح دوسرے مرکب اجسام کا حال ہے۔''(مجموع الفتاوٰی : ٧/٥١٠، ٥١١)

اس سلسلے میں ان کی سب سے بڑی دلیل لغت ہے، ان کا کہنا ہے کہ لغت میں ایمان صرف تصدیق کا معنیٰ دیتا ہے، جیسا کہ امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ (٢٠٢۔٢٩٤) فرماتے ہیں:

ومن أعظم حجج المرجئة الّتى يقولون بها عند أنفسهم اللّغة ، وذٰلک أنّهم زعموا أنّ الايمان لا يعرف فى اللّغة الّا بالتّصديق ، وزعم بعضهم أنّ التّصديق لا يكون الّا بالقلب ، وقال بعضهم : لا يكون الّا بالقلب واللّسان ، وقد وجدنا العرب فى لغتها كلّ عمل حقّقت به عمل القلب واللّسان تصديقاً .

''اس بارے میں مرجئہ کی سب سے بڑی دلیل لغت ہے، ان کا دعوی ہے کہ لغت میں ایمان صرف تصدیق پر بولا جاتا ہے، پھر بعض کا خیال ہے کہ تصدیق صرف دل سے ہوتی ہے، جبکہ بعض کے بقول صرف دل اور زبان سے ہوتی ہے، حالانکہ ہم نے عرب کی لغت میں دیکھا ہے کہ ہر وہ عمل جس سے دل اور زبان کا عمل ثابت ہو، اسے تصدیق کہا گیا ہے۔''(تعظيم قدر الصّلاة : ٢/٧١٦)

ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد عدلت المرجئة فى هٰذا الأصل عن بيان الكتاب والسّنة ، وأقوال الصّحابة والتّابعين

لهم باحسان ، واعتمدوا على رأيهم ، وعلى ما تاوّلوه بفهمهم اللّغة ، وهٰذه طريقة أهل البدع ......ولهٰذا نجد المعتزلة والمرجئة والرّافضة وغيرهم من أهل البدع يفسّرون القرآن برأيهم ومعقولهم وما تاوّلوه من اللّغة ، ولهٰذا تجدهم لا يعتمدون على أحاديث النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم والتّابعين وأئمّة المسلمين ، فلا يعتمدون لا على السّنة ولا على اجماع السّلف وآثارهم، وانّما يعتمدون على العقل واللّغة ، وتجدهم لا يعتمدون على كتب التّفسير المأثورة والحديث وآثار السّلف ، وانّما يعتمدون على كتب الأدب وكتب الكلام الّتى وضعتها رؤوسهم .

''اس اصل (ایمان) کے بارے میں مرجئہ کتاب وسنت اور اقوالِ صحابہ وتابعین سے ہٹ گئے ہیں ، انہوں نے اپنی عقل اور لغت پر اعتماد کیا ہے ، یہ اہلِ بدعت کا طریقہ ہے ، یہی وجہ ہے کہ ہم معتزلہ ، مرجئہ ، روافض اور دیگر بدعتیوں کو دیکھتے ہیں ، وہ قرآن کی تفسیر اپنی رائے ، عقل اور لغت سے کرتے ہیں ، اسی لیے آپ انہیں احادیثِ نبوی اور صحابہ وتابعین واسلاف کے آثار پر اعتماد کرتا نہیں دیکھیں گے ، نہ وہ احادیث کی پروا کرتے ہیں ، نہ اجماعِ سلف کی ، وہ تو اپنی عقل اور لغت پر انحصار کرتے ہیں ، آپ کبھی نہیں پائیں گے کہ وہ تفسیر بالماثور ، احادیث اور آثارِ سلف پر مشتمل کتب پر اعتماد کرتے ہوں ، بلکہ وہ تو ادب کی کتب اور اپنے بڑوں کی لکھی ہوئی علم کلام کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں ۔'' (الایمان : ۱۱۴)

الحاصل سلف صالحین نے کتاب وسنت کی متواتر نصوص اور اجماع کے ذریعے مرجئہ کا مکمل ردّ کیا ہے ، ان کے کچھ دلائل قارئین کے استفادہ کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں ، ملاحظہ فرمائیں :

☆.....فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ☆ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (الأنفال : ۲۔۳)

''بلاشبہ مومن وہ ہیں کہ جب ان کے پاس اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس (اللہ تعالیٰ) کی آیات تلاوت کی جائیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں ، نیز وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ، وہ لوگ نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے ، اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے کہ مذکورہ تمام قلبی وبدنی اعمال سے بندہ مومن بنتا ہے ۔

امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وصف اللّٰہ عزّوجلّ المؤمنین بالأعمال ، ثمّ ألزمھم حقیقۃ الایمان ، ووصفھم بھا بعد قیامھم الأعمال ، من الصّلوٰۃ والزّکاۃ وغیرھا...

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اعمال سے متصف فرمایا ہے، پھر ان کو حقیقی مومن قرار دیا، لیکن نماز اور زکوٰۃ وغیرہ جیسے مذکورہ اعمال کو قائم کر لینے کے بعد۔'' (تعظیم قدر الصلوٰۃ)

☆......فرمانِ الٰہی ہے:

﴿**وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ**﴾ (البقرۃ : ۱۴۳)

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں۔''

حافظ ابن عبدالبرّ رحمہ اللہ (۳۶۸۔۴۶۳) لکھتے ہیں:

لم یختلف المفسّرون أنّہ أراد : صلاتکم الی بیت المقدس ، فسمّی الصّلوٰۃ ایماناً .

''مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی نماز مراد ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نماز کا نام ایمان رکھا ہے۔'' (التّمھید لابن عبد البرّ : ۹/۲۵۳)

ثابت ہوا کہ ایمان میں اعمال داخل ہیں، نماز اعضاو جوارح اور دل کا عمل ہے اور زبان کا قول ہے۔

☆......فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿**قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ**﴾ (آل عمران : ۳۲)

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، اگر تم پھر گئے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ محض دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار ایمان کے لیے ناکافی ہے، کیونکہ یہاں ایمان کے لیے اطاعت کو عملاً لازم قرار دیا گیا ہے۔

☆......فرمانِ ربّ العالمین ہے:

﴿**وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ**﴾ (البیّنۃ : ۵)

''ان کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ یکسو ہو کر خالص اللہ کی عبادت کریں، نیز وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، یہی مضبوط دین ہے۔''

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷٤) فرماتے ہیں:

وقد استدلّ كثير من الأئمة كالزّهرى والشّافعىّ بهٰذه الآية الكريمة على أنّ الأعمال داخلة فى الايمان .

''بہت سے ائمہ کرام جن میں امام زہری اور امام شافعی رحمہما اللہ شامل ہیں، نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔'' (تفسير ابن كثير : ٤٧٧/٨)

دیگر بہت سی آیات سے بھی اعمال کا ایمان میں شامل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

امام آجری رحمہ اللہ (م ٣٦٠) فرماتے ہیں:

اعلموا . رحمنا اللّٰه وايّاكم . يا أهل العلم بالسّنن والآثار ، ويا معشر من فقّههم اللّٰه تعالىٰ فى الدّين بعلم الحلال والحرام : أنّكم ان تدبّرتم القرآن كما أمر اللّٰه تعالىٰ ، علمتم أنّ اللّٰه تعالىٰ أوجب على المؤمنين بعد ايمانهم به وبرسوله العمل ، وأنّه تعالىٰ لم يثن على المؤمنين بأنّه قد رضى عنهم وأنّهم قد رضوا عنه ، وأثابهم على ذٰلك الدّخول فى الجنّة ، والنّجاة من النّار الّا بالايمان والعمل الصّالح ، قرن مع الايمان العمل الصالح ، لم يدخلهم الجنّة بالايمان وحده ، حتّٰى ضمّ اليه العمل الصّالح الّذى وفّقهم له ، فصار الايمان لا يتمّ لأحد حتّٰى يكون مصدّقاً بقلبه وناطقاً بلسانه وعاملاً بجوارحه ، لا يخفىٰ على من تدبّر القرآن ، وتصفّحه ، وجده كما ذكرت .

واعلموا . رحمنا اللّٰه وايّاكم . أنّى قد تصفّحت القرآن ، فوجدتُ ما ذكرته فى شبيه من خمسين موضعاً من كتاب اللّٰه تعالىٰ أنّ اللّٰه تبارك وتعالىٰ لم يدخل المؤمنين الجنّة بالايمان وحده ، بل أدخلهم برحمته ايّاهم ، وبما وفّقهم له من الايمان ، والعمل الصالح .

وهذا ردٌّ على من قال : الايمان معرفة ، وردٌّ على من قال : الايمان المعرفة والقول ، وان لّم يعمل!! نعوذ باللّٰه من قائل هٰذا .

''قرآن وحدیث کے علماؤ اور دین کے فقہاؤ! اللہ تم پر رحم کرے! جان لو کہ اگر تم قرآن پر حکمِ الٰہی کے مطابق غور وفکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول پر ایمان لانے کے بعد مومنوں پر عمل کو لازم قرار دیا ہے، نیز ان کو رضامندی کا سرٹیفکیٹ اور جنت کے حصول اور آگ سے نجات کی صورت میں بدلہ ایمان اور عملِ صالح دونوں کی موجودگی میں دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عملِ صالح کو ملایا ہے، صرف ایمان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں کیا، حتی کہ حسبِ توفیق نیک اعمال کو بھی اس کے

ساتھ ملا نہ دیا، لہٰذا کسی کا ایمان مکمل تب ہی ہوگا، جب وہ دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کرے گا، قرآنِ کریم پر غور و فکر اور اس کی ورق گردانی کرنے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم پر اور ہم پر رحم کرے! جان لو کہ میں قرآن کی ورق گردانی کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قریباً پچاس ایسے مقامات ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ صرف ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں کرے گا، بلکہ اس کی رحمت اور حسبِ توفیق نیک اعمال بھی ایمان کے ساتھ شامل ہوں گے۔

یہ ان لوگوں کا رد ہے جو صرف معرفت کو ایمان کہتے ہیں، نیز ان لوگوں کا بھی جو ایمان کو صرف دل کی معرفت اور زبان کا اقرار کہتے ہیں، اگرچہ عمل نہ بھی کیا جائے، ہم ایسا کہنے والوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔'' (الشریعة للآجرّی : ۲/۶۱۸ـ۶۱۹)

چند احادیثِ نبویہ بھی درجِ ذیل ہیں:

☆......سیدنا صفوان بن عسّال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو یہودی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے سوال پوچھے، جواب ملنے پر کہنے لگے: **نشهد انك نبيّ .** ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔'' تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فما يمنعكم أن تتّبعوني . ''تمہیں میری اتباع سے کون سی چیز مانع ہے؟'' (سنن نسائی : ۴۰۸۳، جامع ترمذی : ۲۷۳۳، ۳۱۴۴، وقال : حسن صحیح ، سنن ابن ماجه : ۳۷۰۵، مسند الامام احمد : ۴/۲۳۹، وسندهٗ صحیح)

امام حاکم (۱/ ۹) نے اس کو ''صحیح'' کہا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

☆......سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفدِ عبدالقیس سے فرمایا:

((آمركم بأربع : الايمان بالله وحده ، وهل تدرون ما الايمان بالله ؟ شهادة أن لا اله الّا الله وأنّ محمّدا رسول الله، واقام الصّلوٰة ، وايتاء الزّكوٰة ، وصيام رمضان ، وأن تعطوا من المغنم الخمس))

''میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں، (۱) ایک اللہ پر ایمان لانا، کیا تم جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور مالِ غنیمت سے خمس نکالا کرو۔''

(صحیح بخاری: ۱/ ۱۳، ح: ۵۳، صحیح مسلم: ۱/ ۳۳، ح: ۱۷)

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۳۱-۷۹۲) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وأيّ دليل على أنّ الأعمال داخلة فی مسمّى الايمان فوق هذا الدّليل ؟ فانّه فسّر الايمان بالأعمال ، ولم يذكر التّصديق مع العلم بأنّ هذه الأعمال لا تفيد مع الجحود .

''اعمال کے ایمان میں داخل ہونے کی دلیل اس سے بڑی اور کیا ہوگی ؟ آپ نے تو ایمان کی تفسیر ہی اعمال سے کی ہے، تصدیق کا تذکرہ ہی نہیں کیا، کیونکہ معلوم ہے کہ یہ اعمال عدمِ تصدیق کے ساتھ فائدہ مند نہیں ہوتے۔'' (شرح العقیدۃ الطّحاویۃ: ۴۸۷)

☆......سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الايمان بضع و سبعون أو بضع وستّون شعبةً ، فأفضلها قول لا اله الّا اللّٰه ، وأدناها اماطة الأذى عن الطّريق ، والحياء شعبة من الايمان))

''ایمان کے ستر سے کچھ اوپر یا ساٹھ سے کچھ اوپر شعبے ہیں، سب سے افضل شعبہ لا الہ الاّ اللّٰہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، نیز حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''

(صحیح بخاری: ۱/ ٦، ح: ۹، صحیح مسلم: ۱/ ۴۷، ح: ۳۵، واللّفظ لہٗ)

یہ حدیث اعمال کے ایمان میں داخل ہونے کی واضح دلیل ہے، اس لیے کہ اس کے شعبہ جات دل، زبان اور اعضا کے اعمال پر مشتمل ہیں، جیسا کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا زبان کا قول وعمل ہے، راستے سے موذی اشیا کو دور کرنا اعضاو جوارح کا عمل ہے اور حیا دل کا عمل ہے۔

حافظ ابن قیّم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولـمّا كان الايمان اصلاً له شعب متعدّدة ، وكلّ شعبة منها تسمّى ايماناً ، فالصّلوٰة من الايمان وكذٰلك الزّكوٰة والحجّ والصّيام والأعمال الباطنة كالحياء والتّوكل والخشيّة من اللّٰه والانابة اليه ، حتّٰى تنتهى هذه الشّعب الى اماتة الاذٰى عن الطّريق ، فانّه شعبة من شعب الايمان ، وهذه الشّعب منها ما يزول الايمان بزوالها كشعبة الشّهادة ، ومنها ما لا يزول بزوالها كترك اماطة الأذى عن الطّريق ، ومنها شعب متفاوتة تفاوتاً عظيماً ، منها ما يلحق بشعبة الشّهادة ويكون اليها أقرب ، ومنها ما يلحق بشعبة اماطة ألاذى ويكون اليها أقرب .

’’جب ایمان ایک ایسی اصل ہے، جس کے بہت سے شعبے ہیں اور ہر شعبہ ایمان کہلاتا ہے تو نماز بھی ایمان ہے، زکوٰۃ بھی، حج بھی اور روزے بھی، نیز باطنی اعمال، مثلاً حیا، توکل، تقوی، انابت وغیرہ بھی، یہاں تک کہ یہ شعبے تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے تک پہنچ جاتے ہیں، یہ بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے، ان شعبوں میں سے بعض ایسے ہیں، جن کے ختم ہونے سے ایمان ختم ہوجاتا ہے، جیسا کہ شہادتِ توحید و رسالت کا شعبہ ہے، جبکہ بعض ایسے ہیں، جن کے زائل ہوجانے سے ایمان زائل نہیں ہوتا، جیسا کہ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے والا شعبہ ہے، ان کے درمیان میں بہت سے متفاوت شعبہ جات ہیں، بعض شہادت سے ملتے ہیں، وہ اس کے قریب ہیں اور بعض تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے سے ملتے ہیں، لہٰذا اس کے قریب ہیں۔‘‘

(کتاب الصّلوٰۃ لابن القیّم : ۵۳)

اب اس پر سلف کا اجماع ملاحظہ فرمائیں، جو بہت سے ائمہ دین نے نقل فرمایا ہے:

حافظ بغوی رحمہ اللہ (م۵۱۰) لکھتے ہیں:

اتّفقت الصّحابة والتّابعون فمن بعدهم من علماء السّنّة على أنّ الأعمال من الايمان ، وقالوا: انّ الايمان قول و عمل وعقيدة .

’’صحابہ، تابعین اور بعد کے محدثین کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایمان قول و عمل اور عقیدے (دل کی تصدیق) کا نام ہے۔‘‘ (شرح السّنة للبغوی : ۳۸/۱)

امام آجرّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلموا. رحمنا اللّٰه وايّاكم .أنّ عليه علماء المسلمين أنّ الايمان واجب على جميع الخلق، وهو تصديق القلب واقرار باللّسان وعمل بالجوارح ، ثمّ اعلموا أنّه لا تجزئ المعرفة بالقلب ونطق باللّسان حتّٰى يكون عمل بالجوارح ، فاذا كملت فيه هٰذه الخصال الثّلاث كان مؤمناً ، دلّ على ذٰلک القرآن والسّنّة ، وهو قول علماء المسلمين .

’’اللہ تعالیٰ تم پر اور ہم پر رحم فرمائے! جان لو کہ مسلمانوں کے علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو ایمان تمام مخلوق پر واجب ہے، وہ دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء کے عمل کا نام ہے، پھر جان لو کہ دل کی معرفت اور زبان کا اقرار اس وقت تک فائدہ نہیں دیتا، جب تک اعضا سے عمل نہ ہو، جب یہ تینوں چیزیں جمع ہوں تو مومن بنتا ہے، اس پر قرآن وحدیث دلیل ہے، یہی علمائے اسلام کا مذہب ہے۔‘‘ (الشّریعة للآجرّی : ۶۱۱/۲)

مُتَنَفِّل کی اقتدا میں مُفْتَرِض کی نماز

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

احناف کے دلائل اور ان کا جائزہ

دلیل نمبر ۱:

((عن أبي أمامة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم :الامام ضامن والمؤذّن مؤتمن))

''سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، امام ضامن ہے اور مؤذّن امانت دار ہے۔'' (مسند أحمد : ٥ /٢٦٠ ، المعجم الكبير للطّبراني : ٨ /٢٨٦ ، ح : ٨٠٩٧ وسندهٗ صحيح)

تبصرہ :

۱☆ اس حدیثِ مبارکہ میں متنفّل کی اقتداء میں مفترض کی نماز کے بطلان پر کوئی اشارہ تک نہیں ہے، ہم نے جن روایات سے استدلال کیا ہے، وہ اپنے مفہوم میں بالکل صریح ہیں، مشہور اور کبار محدّثین اور بعض حنفی علماء نے بھی اس صراحت کا اقرار کیا ہے، ایسی صریح روایات کے مقابلے میں مبہم روایات پیش کر کے استدلال کرنا ایک منصف مزاج آدمی کا کام نہیں، الفاظ میں عبارت النّص کے مقابلے میں اپنے تئیں اشارۃ النّص یا دلالۃ النّص پیش کرنا کھلی بے اصولی اور اصولِ استدلال سے ناواقفی کا کرشمہ ہے۔

۲☆ حدیثِ معاذ اور حدیثِ جابر و ابی بکرۃ سے متنفّل کی اقتدا میں مفترض کی نماز کے جواز کا اقرار ائمہ و محدثین اور خود حنفی بزرگوں نے کیا ہے، لیکن افسوس کہ اس حدیث سے یہ استدلال صرف متاخرین تقلید پرستوں کے ذہن میں آیا ہے، حدیث سے مسائل استنباط کرنا محدثین کا کام ہے، نہ کہ مقلدین کا۔

قارئین! ذرا انصاف فرمائیں کہ بہت سے محدثین نے اس حدیث کو اپنی کتب میں پیش کیا ہے، لیکن یہ مسئلہ استنباط نہیں فرمایا، ملاحظہ فرمائیں:

سنن ترمذی(٢٠٧) ، سنن ابی داوٗد (٥١٧) ، سنن کبریٰ بیہقی(١ /٤٣٠ ، ٣ /١٢٧ ، ١ /٤٢٥ ، ٤٢٦ ، ٤٣١) ، صحیح ابن خزیمہ (٥١٣١ ، ٥١٣٢) ، الامّ للشّافعی(١ /١٢٨) ، شرح السنۃ از حافظ بغوی(٢ /٢٨٠)

نیز دیکھیں شرح مشکوۃ از ملا علی قاری حنفی (١ /٤٢٧)

ان میں سے کسی محدّث نے بھی اس حدیث سے متنفل کی اقتدا میں مفترض کی نماز کے بطلان کا استدلال نہیں کیا، جبکہ ہماری دلیل حدیثِ معاذ اور حدیثِ جابر سے کثیر محدثین نے متنفّل کی اقتدا میں مفترض کی نماز کا جواز ثابت کیا ہے، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

جو لوگ اپنے آپ کو قرآن وسنت کے سمجھنے سے قاصر خیال کر کے تقلیدِ شخصی کو گلے کا طوق بنائے ہوئے ہیں، انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ حدیث سے وہ مسئلہ اخذ کریں جو ان کے ائمہ متقدمین نے بھی اخذ نہیں کیا؟

امام طحاوی حنفی نے بھی شرح معانی الآثار میں اس مسئلہ میں مذہبِ حنفی کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، لیکن یہ روایت انہوں نے بھی پیش نہیں کی، ظاہر ہے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط نہیں ہوتا، ورنہ امام طحاوی تو احادیث وآثار پر آج کے مقلدین سے بڑھ کر نظر رکھتے تھے۔

۳ ☆ سننِ دارقطنی (۱۲۱۴) میں اس حدیث کا معنیٰ بھی بیان ہوا ہے کہ:

((الامام ضامن ، فما صنع فاصنعوا))

''امام ضامن ہے، جو وہ کرے وہی تم کرو۔''

امام ابوحاتم فرماتے ہیں: ھذا تصحیح لمن قال بالقراء ۃ خلف الامام .

''یہ روایت اس شخص کی بات کو صحیح قرار دیتی ہے جو امام کے پیچھے قراءت کا قائل ہے۔''

(سنن دار قطنی : ١ /٣٢٧)

محدثین کی صراحت کے مطابق تو یہ روایت احناف کی دلیل بننے کے بجائے، ان کے گلے کا طوق بن گئی ہے، اب بھی اگر کوئی اصرار کرے، تو یہ ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

۴ ☆ **الامام ضامن** کے الفاظ سے تضمین بمعنی امام ومقتدی کی نماز کی برابری یا امام کی فرض اور مقتدی کی نفل مراد لینا جہاں تصریحاتِ محدثین کے خلاف ہے، وہاں فقہ حنفی کے دوسرے اصولوں سے متناقض بھی ہے۔

احناف اس مقام پر صرف اسی قیاسِ فاسد سے کام لیتے ہیں کہ دیکھیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کو ضامن کہا ہے اور آدمی کسی کا ضامن اسی وقت بنتا ہے جب وہ دوسرے پر حاوی ہو، یا کم از کم برابر، کیونکہ ادنیٰ چیز اعلیٰ کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی۔

بلاشبہ یہ قیاس صحیح وصریح نصوصِ حدیثیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل وفاسد ہے۔

پس! ذرا غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ احناف نے اس مسئلہ میں قائم کئے ہوئے خودساختہ اصولوں کی خود بہت سے مقامات پر مخالفت کر رکھی ہے، مثلاً ملاحظہ فرمائیں:

☆ غلام کی اقتدا میں آزاد کی نماز۔

☆ فاسق (گناہ پر دوام کرنے والے) کی اقتدا میں نیک آدمی کی نماز وغیرہ (دیکھیں قدوری: ص۲۹)

حالانکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان صورتوں میں بھی امام مفضول ہونے کی بنا پر ''ضامن'' نہ بن سکے۔

دلیل نمبر ۲:

جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

[[عن أنس رضی اللّٰه عنه أنّ النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال : انّما جعل الامام لیؤتمّ به ، فلا تختلفوا علیه . أخرجه البخاریّ و مسلم (زیلعی). (سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا اس سے اختلاف مت کرو۔ اسے بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے۔ بحوالہ زیلعی) احتجّ به أصحابنا علی المنع من اقتداء المفترض بالمتنفّل قالوا : واختلاف النّیّة داخل فی ذالک . (اس حدیث سے ہمارے حنفی حضرات نے دلیل لی ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں فرض پڑھنے والے کی نماز منع ہے، ان کا کہنا ہے کہ نیت کا اختلاف بھی اس ضمن میں داخل ہے)]] (اعلاء السّنن از ظفر أحمد تهانوی: ۱۳۵۵/۳ ـ ۱۳۵٦)

تبصرہ:

۱☆ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں سیدنا انس کی روایت میں فلا تختلفوا علیه کے الفاظ ہمیں نہیں مل سکے، بلکہ سیدنا ابو ہریرۃ کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں، لہٰذا تصحیح کی ضرورت ہے۔

۲☆ حسبِ سابق اس روایت سے بھی احناف کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا، بلکہ مکمل حدیث پڑھنے کے بعد بالکل برعکس صورت سامنے آتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

((عن أنس بن مالک أنّه قال : خرّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم عن فرس فجُحِش فصلّٰی لنا قاعدا فصلّینا معه قعوداً ، فلمّا انصرف فقال : انّما جُعِل الامام لیؤتمّ به ، فاذا کبّر فکبّروا ، واذا رکع فارکعوا ، واذا رفع فارفعوا ، واذا قال : سمع اللّٰه لمن حمدهٗ ، فقولوا : ربّنا ولک الحمد ، واذا سجد فاسجدوا ، وفی روایة :فاذا صلّٰی قائماً فصلُّوا قیاماً ، وفی روایة أخرٰی :واذا

صلّی قاعداً فصلُّوا قعوداً أجمعون))

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ گھوڑے سے گر گئے، جس سے آپ زخمی ہو گئے، آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی، ہم نے بھی آپ کی اقتداء میں بیٹھ کر ہی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ، جب وہ **سمع اللّٰہ لمن حمده** کہے، تو تم **ربّنا ولک الحمد** کہو اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم سجدہ کرو۔''

ایک روایت میں فرمایا:

''جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھائے، تو تم (بشرطِ صحت) کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔''

دوسری روایت میں فرمایا: ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بیٹھ کر نماز ادا کرو۔''

(صحیح بخاری: ۷۳۲ _ ۷۳۳ ، صحیح مسلم: ٤١١)

واضح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کا مطلب و مقصد صحابہ کو یہ آگاہ کرنا تھا کہ امام کی اقتدا کرنی چاہیے، یعنی اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھو اور اگر وہ بیٹھ کر پڑھے، تو سب اس کی اقتداء کرتے ہوئے بیٹھ کر نماز ادا کرو، اسی طرح دوسرے ارکان میں بھی امام کی پیروی ضروری ہے، لہٰذا اس سے متنفل کی اقتدا میں مفترض کی نماز کی ممانعت کا کوئی ثبوت نہیں، صریح احادیث کے مقابلے میں اس طرح کے احتمال پیش کرنا انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

فائدہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آپ کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا، اسی طرح صحابہ کرام کا آپ کی وفات کے بعد بیٹھے امام کی اقتدا میں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح نماز پڑھنا بتاتا ہے کہ یہ امر منسوخ ہو چکا ہے یا وجوب کے لئے نہیں۔

۳☆ اس روایت کو کثیر تعداد میں ائمہ و محدثین نے اپنی کتب میں درج کیا ہے، لیکن اس سے یہ استنباط صرف دیوبندیوں کے حصے میں آیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

بخاری(٧٣٤) ، **مسلم** (٤١٤) ، **ابن ماجہ** (٨٦٤) ، **نسائی**(٨٣٢، ١٢٠٠) ، **ابوعوانہ** (٢/ ١١٠) ، **الدارمی** (١/ ٢٨٦) ، **بیہقی** (٣/ ٧٩) ، **بغوی**(٨٥٢) ، **ابو داؤد** (٦٠٤) ، **ابن ابی شیبہ** (٢/ ٣٢٦) ، **احمد بن حنبل** (٢/ ٣٤١) ، **حمیدی**(٩٥٨) ، **عبدالرزاق**(٤٠٨٢) ، **ابنِ حبان** (٢١٠٧) ، **ابن خزیمہ** (١٦١٣) رحمہم اللہ وغیرہم۔

ان میں سے کسی ایک محدث وامام نے بھی اس سے یہ مسئلہ نہیں سمجھا، محدثین کی اتنی بڑی تعداد کے مقابلے میں تقلید پرستوں کی بات کا کیا اعتبار ہوگا؟ حدیث کا فہم محدثین کو ہے یا مقلدین کو؟

۴☆ فلا تختلفوا سے نیت کا اختلاف مقصود نہیں، بلکہ ظاہری اختلاف مقصود ہے، جیسا کہ اسی حدیث میں واضح الفاظ سے صراحت ہے کہ جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھالو، جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرلو، نیت کے اختلاف کی ممانعت کا اشارہ بھی نہیں ملتا۔

۵☆ اگر اس سے مراد نیت کا اختلاف ہو، تو مفترض امام کے پیچھے نفل پڑھنے والے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

رہا جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب کا یہ کہنا کہ:

واقتداء المتنفّل بالمفترض ليس من الاختلاف على الامام .

''متنفل اگر مفترض کی اقتدا کرے، تو یہ امام سے اختلاف نہیں بنتا۔'' (اعلاء السّنن : ۱۳۵٦/۳)

تو ہم کہتے ہیں کہ متنفّل کی اقتدا میں مفترض کی نماز بھی امام سے اختلاف کی صورت نہیں ہے۔

مزید لکھتے ہیں: **أو نقول : انّ مفاد قوله : لا تختلفوا عليه . المنع من ذالک أيضا ولكن جوّزناه بنصّ آخر في ذٰلک خاصّة .**

''یا اس اعتراض کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ **لا تختلفوا** کا مقصد فرض پڑھنے والے کی اقتدا میں نفل پڑھنے والے کی نماز سے بھی منع کرنا ہے، لیکن اسے ہم نے دوسری خاص نص کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔'' (اعلاء السّنن : ۱۲۵٦/۳)

تبصرہ :

اگر آپ کے بقول **لا تختلفوا عليه** سے مراد نیت کا اختلاف ہے اور اس اختلاف میں مفترض کی متنفل کے پیچھے نماز اور متنفل کی مفترض کے پیچھے نماز، دونوں شامل ہیں، اس کے باوجود آپ نے دوسری نص کے پیشِ نظر مفترض کی اقتدا میں متنفّل کی نماز خارج کرلی ہے تو ہم نے بھی بصراحتِ محدثین دوسری صریح وصحیح نصوص کے ذریعے متنفّل کی اقتدا میں مفترض کی نماز کو بھی خارج کرلیا ہے۔

اب نتیجہ وہی نکلا کہ اس روایت میں مذکورہ اختلاف سے مراد نیت کا اختلاف ہرگز نہیں ہے، ورنہ تو درج ذیل صورتیں بھی اس اختلاف کی وجہ سے باطل ہو جائیں گی:

۱☆ مسافر کی مقیم کے پیچھے نماز۔

۲☆ مقیم کی مسافر کے پیچھے نماز۔

۳☆ مسبوق (جس کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں) کی نماز وغیرہ

فائدہ :

قارئین کرام! آپ نے مشاہدہ کیا ہے کہ ایک طرف تو صحیح وصریح احادیث ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عمل ہے، بہت بڑی تعداد میں محدثین کی صراحت ہے اور بعض حنفی بزرگوں کا اعتراف بھی ہے، جبکہ دوسری طرف صحیح تو کجا، کوئی صریح ضعیف دلیل بھی نہیں، لیکن اس کے باوجود احناف حضرات اس پر ڈٹے ہوئے ہیں، نصوص میں طرح طرح کی تاویلات باطلہ کا ارتکاب کر کے تحریف معنوی کے مجرم بنتے ہیں اور محدثین کی فقاہت کا صریح انکار کرتے ہیں، نیز اپنے آپ اور اندھے مقلدین کو طفل تسلی دینے کے لئے ایسی روایات پیش کرتے ہیں، جن کا مقصود سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا، کیونکہ دلائل سے تو یہ بے چارے بالکل خالی ہیں اور بسا اوقات ان کی زبان سے اللہ تعالیٰ حق بات نکلوا بھی دیتا ہے، چنانچہ جناب انوارِخورشید ''فاضل'' جامعہ اشرفیہ لاہور، تارِعنکبوت سے بھی بے وقعت کتاب ''غیر مقلدین امام بخاری کی عدالت میں'' کے اندر لکھتے ہیں:

''جبکہ سرے سے ہمارا دعویٰ ہی نہیں ہے کہ ہر مسئلہ کی دلیل حدیث میں موجود ہے۔'' (ص: ۵)

دیکھا آپ نے کہ دیوبندی صاحب نے کتنے صریح الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ فقہ حنفی کے ہر مسئلے کی دلیل حدیث میں موجود نہیں۔

ہمارا جناب سے سوال ہے کہ جب آپ کی مکمل فقہ حدیث سے ثابت ہی نہیں ہوتی تو پھر ان مسائل میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہوئے حدیث میں تاویلاتِ بعیدہ اور لفظی ومعنوی تحریف کا اقدام کیوں کرتے ہیں؟ صاف کہہ دیں کہ اس اس مسئلہ میں ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے!!!

قارئین کرام! ہم نے احناف کی طرف سے متنفل کی اقتدا میں مفترض کی نماز کی ممانعت میں آج تک پیش کردہ تمام دلائل کا منصفانہ تجزیہ پیش کر دیا ہے، اب خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ

یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟

نمازِ جمعہ سے پہلے اور بعد نماز

غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری

نماز جمعہ سے پہلے ادا کی جانے والی نماز کی تعداد رکعات متعین اور مقرر نہیں، پہلے آنے والا جتنی چاہے عبادت کر سکتا ہے۔

(۱) سیدنا أبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من اغتسل ثمّ أتی الجمعة فصلّی ما قدّر له ثمّ أنصت حتّٰی یفرغ الامام من خطبته ، ثمّ یصلّی معه غفر له ما بینه وبین الجمعة الأخریٰ وفضل ثلاثة أیام))

''جس نے غسل کیا، پھر نماز جمعہ کیلئے آیا، نماز پڑھی جتنی اس کے مقدر میں تھی، پھر خاموش رہا یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو گیا، اس کے بعد امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی، اس جمعہ سے لیکر اگلے جمعہ تک اور تین دن کے مزید اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔'' (صحیح مسلم : ۸۵۸)

(۲) سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من اغتسل یوم الجمعة وتطهّر بما استطاع من طهر، ثمّ ادّهن أومسّ من طیب ، ثمّ راح فلم یفرّق بین اثنین ، فصلّٰی ما کتب له ، ثمّ اذا خرج الامام أنصت ، غفر له ما بینه وبین الجمعة الأخریٰ))

''جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، بقدرِ استطاعت طہارت حاصل کی، پھر تیل یا خوشبو لگائی، پھر جمعہ کے لئے چل دیا، دو آدمیوں کے درمیان تفرق نہیں ڈالی (یعنی دو اکٹھے بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان سے گھس کر آگے نہ بڑھا)، پھر نماز پڑھی جو اس کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی، جب امام نکلا (جمعہ کیلئے) تو وہ خاموش رہا، اس جمعہ سے لیکر سابقہ جمعہ کے درمیان جو اس نے (صغیرہ) گناہ کئے، وہ بخش دیئے جاتے ہیں۔''

(صحیح بخاری:۹۱۰)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ سے پہلے تعدادِ رکعات متعین نہیں ہے، جتنی جی چاہے پڑھے۔

حافظ ابن المنذر رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (الأوسط:٤/٥٠)

(۳) نافع کہتے ہیں:

((كان ابن عمر يطيل الصّلاة قبل الجمعة ويصلّي بعدها ركعتين في بيته ويحدّث أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يفعل ذٰلك))

''سیدنا ابن عمر نماز جمعہ سے پہلے لمبی نماز پڑھتے، جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے اور بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی عمل تھا''۔(سنن أبي داؤد:١١٢٨،وسنده صحيح)

(۴) جبلہ بن سحیم کہتے ہیں:

أنّه كان يصلّي قبل الجمعة أربعاً،لا يفصل بينهن بسلام ، ثمّ بعد الجمعة ركعتين ، ثمّ أربعاً.

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے، ان کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ نہیں کرتے تھے، پھر جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔''(شرح معاني الآثار:٣٣٥/١،وسندهٗ صحيح)

(۵) عکرمہ رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

أنّه كان يصلّي قبل أن يأتي الجمعة ثمان ركعات ، ثمّ يجلس فلا يصلّي شيئاً حتّٰى ينصرف.

''آپ جمعہ کو آنے سے پہلے آٹھ رکعتیں پڑھتے، پھر بیٹھ جاتے، واپسی تک کچھ نہ پڑھتے''۔

(الأوسط:٩٧/٣، ح: ١٨٤٤وسنده حسن)

سلم بن بشیر کی امام یحییٰ بن معین (الجرح والتّعديل:٢٦٦/٤، وسندهٗ صحيح) اور امام ابن حبان نے توثیق کی ہے، لہٰذا ''حسن الحدیث'' ہے۔

(٦) أبو عبدالرحمٰن السلمی کہتے ہیں:

كان ابن مسعود يأمرنا أن نصلّي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً.

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمیں جمعہ سے پہلے اور بعد میں چار چار رکعت ادا کرنے کا حکم دیتے تھے۔''

(الأوسط لابن المنذر: ١٨٨٠،وسندهٗ حسن)

سفیان نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے اور عطا بن السائب سے قبل الاختلاط روایت لی ہے۔

صافیہ کہتی ہیں:

رأيت صفية بنت حييّ رضي اللّٰه تعالىٰ عنها صلّت أربع ركعات قبل خروج الامام للجمعة.

''میں نے سیدہ صفیہ بنت حیی کو امام کے جمعہ کیلئے نکلنے سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے دیکھا۔''

(طبقات ابن سعد : ۰ ،نصب الرّایہ:۲/۲۰۷)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، صافیہ کے حالات نہیں ملے۔

(۷) نافع کہتے ہیں:

کان ابن عمر یهجّر یوم الجمعة ، فیطیل الصّلوٰة قبل أن یخرج الامام.

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے دن جلدی آتے اور امام کے نکلنے سے پہلے لمبی نماز پڑھتے تھے۔''(مصنف ابن أبی شیبه:۲/۱۳۱،وسندہٗ صحیح)

(۸) عمران بن حدیر کہتے ہیں:

أنّه کان یصلّی فی بیته رکعتین یوم الجمعة.

''آپ جمعہ کے دن اپنے گھر میں دو رکعتیں ادا فرماتے۔''(مصنف ابن أبی شیبه:۲/۱۳۱،وسندہٗ صحیح)

(۹) عبداللہ بن طاؤس اپنے باپ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

أنّه کان لا یأتی المسجد یوم الجمعة حتّٰی یصلّی فی بیته رکعتین.

''آپ جمعہ کے دن گھر میں دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے مسجد نہ آتے تھے۔''

(مصنف ابن أبی شیبه:۲/۱۳۱،وسندہٗ صحیح)

امام سفیان ثوری اور امام عبداللہ بن مبارک جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعتوں کے قائل ہیں۔

(جامع ترمذی : تحت حدیث : ۵۲۳)

(۱۰) امام عبدالرزاق بھی اسی کے قائل ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق:۳/۲٤۷)

☆☆☆ عقبہ بن علقمہ کہتے ہیں کہ میں امام اوزاعی کو جمعہ کیلئے جاتے ہوئے مسجد کے دروازے پر ملا، ان کو سلام کہا اور ان کے پیچھے پیچھے گیا، میں نے امام کے نکلنے سے پہلے ان کی نماز شمار کی، وہ چونتیس رکعات تھیں، آپ کا قیام، رکوع اور سجود سب بہترین تھے''۔(تقدمة الجرح والتّعدیل: ۲۱۸،وسندہٗ حسن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جمعہ سے پہلے کچھ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

(۱) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

کان النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یرکع قبل الجمعة أربعاً (زادالطّبرانیّ: وبعدها أربعاً) ، لا

يفصل في شيء منهنّ.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے (اور بعد) چار رکعتیں پڑھتے، درمیان میں کوئی فاصلہ نہ کرتے۔'' (سنن ابن ماجه:١١٢٩، المعجم الكبير للطّبراني:١٢/١٠١، ح:١٢٦٧٤)

اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

(۱) اس میں مبشر بن عبید راوی ''ضعیف ومتروک'' ہے۔ (۲) حجاج بن اُرطاۃ ''ضعیف ومدلس'' ہے۔

(۳) عطیہ العوفی ''ضعیف'' ہے۔ (۴) بقیہ بن ولید ''تدلیس التسویہ'' کا مرتکب ہے۔

حافظ نووی نے اس حدیث کو باطل (جھوٹی) قرار دیا ہے۔ (خلاصة الأحكام: ٢/٨١٣)

حافظ ابن قیّم الجوزیہ لکھتے ہیں:

هٰذا الحديث فيه عدة بلايا. ''اس حدیث میں کئی مصیبتیں ہیں''۔ (زاد المعاد: ١/١٧٠)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: **واسنادهٔ ضعيف جدّاً.** ''اس کی سند سخت ترین ضعیف ہے''۔

(التلخيص الحبير:٢/٧٤)

زیلعی حنفی لکھتے ہیں: **وسنده واه جدّاً فمبشّر بن عبيد معدود في الوضّاعين، وحجّاج وعطيّة ضعيفان.**

''اس کی سند سخت ترین ضعیف ہے، مبشر بن عبید راوی کا شمار احادیث گھڑنے والوں میں کیا گیا ہے، نیز حجاج (بن اُرطاۃ) اور عطیہ (العوفی) دونوں ضعیف ہیں''۔ (نصب الرّاية: ٢/٢٠٦)

ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

وكلام الهيثميّ مشعر بأن ليس في سند الطّبرانيّ أحد غيرهما متكلّم فيه.

''علامہ ہیثمی کے کلام سے پتا چلتا ہے کہ طبرانی کی سند میں ان دونوں (حجاج بن اُرطاۃ اور عطیہ العوفی) کے علاوہ کوئی متکلم فیہ راوی نہیں۔'' (اعلاء السّنن: ١٨٦٢)

جبکہ واضح ہے کہ طبرانی کی سند میں مبشر بن عبید ''متروک اور وضاع'' راوی موجود ہے، لہٰذا بعض الناس کا اس کی سند کو ''حسن'' کہنا نری جہالت ہے، یاد رہے کہ بقیہ بن ولید جمہور کے نزدیک ''ثقہ'' ہے، صرف ان پر ''تدلیسِ تسویہ'' کا الزام ہے۔

(۲) سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یصلّی قبل الجمعة أربعاً و بعدھا أربعاً یجعل التّسلیم فی آخرھنّ رکعة .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے اور بعد میں چار چار رکعتیں پڑھتے ،سلام آخری رکعت میں ہی پھیرتے''۔(المعجم الأوسط للطبرانی:۳٦۸/۲ ح۱٦٤۰،المعجم لابن الأعرابی:۸۷۳)

اسکی سند ضعیف ہے، کیونکہ:

(۱) اس میں أبو اسحق السبیعی راوی ''مدلس و مختلط'' ہے۔(۲) محمد بن عبدالرحمن السہمی ''متکلم فیہ'' راوی ہے۔

اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں: **ولا یتابع علیه.** ''اس کی حدیث پر اس کی متابعت نہیں کی گئی۔''(التاریخ الکبیر:۱٦۲/۱)

امام ابوحاتم الرازی کہتے ہیں: **لیس بمشهور .** ''یہ مشہور نہیں تھا''۔(الجرح والتّعدیل:۳۲٦/۷)

امام یحییٰ بن معین نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔(لسان المیزان:۲٤٥/٥)

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے اور بعد میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔(کشف الأستار فی زوائد البزار : ۳٤۱/۲، تاریخ بغداد : ۳٦٥/٦)

اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔اس میں الحسن بن قتیبہ الخزاعی راوی ہے ،اسکو امام دارقطنی نے ''متروک الحدیث'' کہا ہے۔(العلل:۳٤۷/٥) نیز ''ضعیف'' بھی کہا ہے۔(سنن دار قطنی : ۷۸/۱ ، العلل : ۱۲۹/۷) ،امام ابوحاتم کہتے ہیں: **لیس بقویّ الحدیث ، ضعیف الحدیث** .(الجرح والتّعدیل:۳۳/۳)

حافظ عقیلی نے ''کثیر الوہم'' کہا ہے۔(الضعفاء:۲٤۱/۱) ،ذہبی نے ''ھالک'' کہا ہے۔(المیزان :٥۱۹/۱)

اس میں سفیان کی ''تدلیس'' بھی ہے، نیز اسحق بن سلیمان البغدادی کی ''توثیق'' مطلوب ہے۔

(٤) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **کان رسول اللّٰہ علیہ وسلّم یصلّی قبل الجمعة وبعدھا أربعاً .**

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے اور بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔''

(المعجم الأوسط للطبرانی: ۳۹۷۱)

اس کی سند ''ضعیف و منقطع'' ہے، ابوعبیدہ کا اپنے باپ عبداللہ بن مسعود سے ''سماع'' نہیں ہے.

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: والرّاجح أنّه لا یصحّ سماعه من أبیه .

''راجح بات یہ ہے کہ اس کا اپنے باپ سے کوئی سماع نہیں ۔'' (تقریب التّهذیب : ۸۲۳۱)

نیز سلمان بن عمرو بن خالد الرقی کی ''توثیق'' مطلوب ہے۔

(۵) قال أبو الحسن عبد الرحمن بن محمّد بن یاسر فی ((حدیث أبی القاسم علیّ بن یعقوب)) عن اسحٰق بن ادریس ثنا أبان ثنا عاصم الأحول عن نافع عن عائشة أنّ النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان یصلّی قبل الجمعة رکعتین فی أهله .

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔''

یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: باطل موضوع وآفته اسحٰق هذا وهو الأسواری البصریّ قال ابن معین : کذّاب یضع الحدیث .

''یہ جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے، اس میں اسحٰق (بن ادریس) اسواری بصری راوی کی وجہ سے آفت ہے، اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ پرلے درجے کا جھوٹا ہے اور احادیث گھڑتا تھا۔'' (الأجوبة النّافعة، ص : ۲٤)

(۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ابوعبیدہ کہتے ہیں:

کان یصلّی قبل الجمعة أربعاً . ''آپ جمعہ سے پہلے چار رکعت ادا کرتے تھے۔'' (مصنف ابن أبی شیبه : ۱۳۱/۲)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، ابوعبیدہ کا اپنے باپ سے کوئی سماع نہیں ہے۔

مصنف عبدالرزاق (۵۵۲٤) میں قتادہ نے ابوعبیدہ کی متابعت کر رکھی ہے، یہ بھی ضعیف ہے، کیونکہ قتادہ کا ابن مسعود سے سماع نہیں ہے۔

(۷) ابواسحٰق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کرتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق:۵۵۲٤، المعجم الکبیر للطبرانی : ۳۱۰/۹)

اسکی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں عبدالرزاق اور ابواسحٰق کی ''تدلیس'' ہے۔

(۸) ابراہیم نخعی کہتے ہیں: کانوا یصلّون قبلها أربعاً .

''(صحابہ وتابعین) جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔'' (مصنف ابن أبی شیبہ:۱۳۱/۲)
اسکی سند ''ضعیف'' ہے، حفص بن غیاث اور اعمش دونوں ''مدلس'' ہیں۔

جمعہ کے بعد نماز

جمعہ کے بعد صرف دو رکعتیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں، چار بھی پڑھی جاسکتی ہیں، دو پڑھ کر پھر چار یعنی چھ بھی پڑھی جاسکتی ہیں، گھر میں پڑھیں یا مسجد میں، دونوں صورتیں جائز ہیں۔

(۱) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

كان لا يصلّى بعد الجمعة حتّٰى ينصرف ، فيصلّى ركعتين فى بيته .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد گھر لوٹ کر دو رکعتیں ادا کرتے۔''

(صحیح بخاری : ۹۳۷، صحیح مسلم : ۸۸۲)

امام ترمذی اس حدیث کے تحت فرماتے:

والعمل علٰى هٰذا عند بعض أهل العلم، وبه يقول الشّافعىّ وأحمد .

''بعض اہلِ علم کا اس پر عمل ہے، امام شافعی اور امام احمد کا یہی مذہب ہے''۔(ترمذی تحت : ۵۲۱)

(۲) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلّٰى أحدكم الجمعة فليصلّ بعدها أربعاً .

''جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے، تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے''۔(صحیح مسلم : ۶۷/۸۸۱)

صحیح مسلم (۶۹/۸۸۱) ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من كان منكم مصلّياً بعد الجمعة فليصلّ أربعاً .

''تم میں سے جو جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہے، وہ چار رکعتیں پڑھے۔''

(۳) ابن جریج کہتے ہیں کہ عطاء نے مجھے بتایا کہ انہوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ اپنی جمعہ والی جگہ سے تھوڑا سا سرک جاتے اور دو رکعتیں پڑھتے، پھر اس سے زیادہ چلتے اور چار رکعتیں ادا کرتے، میں نے عطا سے پوچھا کہ آپ نے کتنی مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایسا کرتے دیکھا، تو کہا، کئی مرتبہ۔(سنن أبی داؤد:۱۱۳۳، جامع ترمذی : ۵۲۳ ، وسندهٔ صحیح)

حافظ نووی نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔(خلاصة الأحكام : ۸۱۲/۲)

(۴) عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں:

کان اذا کان بمکّة فصلّی الجمعة تقدّم ، فصلّی رکعتین ، ثمّ تقدّم ، فصلّی أربعاً، واذا کان بالمدینة صلّی الجمعة ، ثمّ رجع الیٰ بیته فصلّی رکعتین ولم یصلّ فی المسجد، فقیل له: فقال: کان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یفعل ذٰلک .

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ میں ہوتے اور جمعہ پڑھتے تو (تھوڑا سا) آگے ہو کر دو رکعتیں پڑھتے اور جب مدینہ میں ہوتے تو جمعہ پڑھ کر گھر لوٹ آتے ، پھر دو رکعتیں پڑھتے ، مسجد میں نہ پڑھتے ، ان سے پوچھا گیا تو فرمایا ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے۔'' (سنن أبی داؤد:۱۱۳۰،وسندهٔ صحیح)

حافظ نووی نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔(خلاصة الأحکام: ۲/۸۱۲)

فائدہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے :

أنّه کان یکره أن یصلّی بعد صلوة الجمعة مثلها .

''آپ رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد اسی طرح کی (دو رکعت) نماز پڑھنا ناپسند کرتے تھے۔''

(شرح معانی الآثار للطّحاوی:۱/۳۳۷)

اس کی سند سفیان ثوری اور اعمش کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

(۵) جبلہ بن سحیم کہتے ہیں:

انّه کان یصلّی قبل الجمعة أربعاً لا یفصل بینهنّ بسلام ، ثمّ بعد الجمعة رکعتین ، ثمّ أربعاً .

''ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے ، ان میں سلام کے ساتھ فاصلہ نہ ڈالتے ، پھر جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ، پھر چار پڑھتے۔'' (شرح معانی الآثار:۱/۳۳۵،وسندهٔ صحیح)

(۶) ابوعبدالرحمٰن السلمی کہتے ہیں: **کان ابن مسعود یأمرنا أن نصلّی قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً .**

''سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ہمیں نماز جمعہ سے پہلے اور بعد چار رکعتیں پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔''

(الأوسط لابن المنذر:۱۸۸۰،وسندهٔ حسن)

عبداللہ بن حبیب کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔(مصنف ابن أبی شیبه:۲/۱۳۳) اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں شریک اور ابواسحٰق دونوں ''مدلس'' ہیں۔

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔(مصنف ابن أبی

شیبہ:۱۳۳/۲) اسکی سند ''ضعیف'' ہے، ابوعبیدہ کا اپنے باپ سے کوئی سماع نہیں۔

مسیّب کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن أبی شیبہ:۳۳/۲وسندہٗ صحیح)

علقمہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود جمعہ کے بعد چار اکٹھی رکعات ادا کرتے۔(مصنف ابن أبی شیبہ:۱۳۳/۲)

اسکی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں حجاج بن ارطاۃ ''ضعیف ومدلس'' اور حماد بن ابی سلیمان ''مختلط'' اور ابراہیم نخعی ''مدلس'' ہے، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہے۔

ابوحصین کہتے ہیں: **رأيت الأسود بن يزيد صلّى بعد الجمعة أربعاً .**

''میں نے اسود بن یزید کو دیکھا، آپ نے جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھیں۔''

عمران بن حدیر کہتے ہیں: **اذا سلّم الامام صلّى ركعتين يوم الجمعة ، واذا رجع صلّى ركعتين**

''ابومجلز: جب جمعہ کے دن امام سلام پھیرتا تو دو رکعتیں پڑھتے، پھر واپسی کے وقت دو رکعتیں ادا کرتے۔''

(مصنف ابن أبی شیبہ:۱۳۳/۲،وسندھما صحیح)

جمعہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چار رکعتیں پڑھنا ثابت نہیں ہے، جیسا کے پہلے گزر چکا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن السلمی سے روایت ہے: **أنّه كان يصلّي بعد الجمعة ستاً .**

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔''(تقدمة الجرح والتّعديل:۱٦۷،وسندہٗ صحیح)

ابوبکر بن ابی موسیٰ اپنے باپ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں:

انّه كان يصلّي بعد الجمعة ستّ ركعات .

''آپ جمعہ کے بعد چھے رکعات ادا کرتے تھے۔''(مصنف ابن أبی شیبہ:۱۳۲/۲وسندہٗ صحیح)

ابراہیم نخعی کہتے ہیں: **صلّ بعد الجمعة ركعتين ، ثمّ صلّ بعد ما شئت .**

''جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھ، پھر اس کے بعد جتنی چاہے پڑھتا رہ۔''

(مصنف ابن أبی شیبہ:۱۳۲/۲وسندہٗ حسن)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں: **ان شئت صلّيت أربعاً ، وان شئت صلّيت ستّ ركعات مثنٰى مثنٰى، كذا أختار أنا، وان شئت صلّيت أربعاً فلا بأس.**

''اگر چاہے تو چار پڑھ اور چاہے تو چھ پڑھ، دو دو کر کے، یہ مجھے پسند ہے، اگر چاہے تو چار پڑھ لے اس

میں بھی کوئی حرج نہیں۔'' (مسائل أحمد لابنه عبدالله : ۱۲۳)

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں:

ان شاء صلّی رکعتین ، وان شاء أربعاً ، ویصلّی أربعاً یفصل بین کلّ رکعتین بتسلیم أحبّ الیّ.

''نماز جمعہ ادا کرنے والا چاہے تو دو رکعتیں پڑھے، چاہے چار، چار پڑھے تو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرنا مجھے زیادہ پسند ہے''۔(الأوسط لابن المنذر:۱۲۷/٤)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

نمازِ زلزلہ

ابوسعید

عبداللہ بن حارث الانصاری سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے کہتے ہیں:

انّہ صلّٰی فی زلزلة بالبصرة ، فأطال القنوت ، ثمّ رکع ، ثمّ رفع رأسه ، فأطال القنوت ، ثمّ رکع ، فسجد ، ثمّ قام فی الثّانیة ، ففعل کذٰلک ، فصارت صلاته ستّ رکعات وأربع سجدات ، ثمّ قال : هٰکذا صلاة الآیات.

''آپ نے بصرہ میں زلزلہ آنے پر نماز پڑھی ، لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا، پھر سر اٹھایا اور لمبا قیام کیا، پھر رکوع کیا، پھر سجدہ کیا، اس کے بعد دوسری رکعت میں بھی ایسے ہی کیا، اس طرح ان کی نماز میں چھ رکوع اور چار سجدے ہوئے، پھر فرمایا، اللہ تعالی کی نشانیوں (آفات) کی نماز اسی طرح کی ہوتی ہے۔''

(السنن الکبری للبیهقی : ۳٤۳/۳، وسنده صحیح کالشمس وضوحاً)

جعفر بن برقان کہتے ہیں: **کتب الینا عمر بن عبد العزیز فی زلزلة کانت بالشّام : أن اخرجوا یوم الاثنین من شهر کذا و کذا ، ومن استطاع منکم أن یخرج صدقة ، فلیفعل ، فانّ اللّٰه تعالیٰ قال : ﴿ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ☆ وَذَکَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ﴾**(الأعلیٰ : ١٤۔١٥)

''امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہمیں شام میں آنے والے زلزلے میں خط لکھا کہ تم فلاں مہینے میں اتوار کے دن نکلو اور جو کوئی صدقہ کر سکتا ہے، کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ☆ وَذَکَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی﴾ (الأعلی : ١٤۔١٥) (یقیناً کامیاب ہو گیا جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اللہ کا نام لیا، پھر نماز پڑھی۔''(مصنف ابن أبی شیبه : ٤٧٢/٢، وسندهٗ صحیح)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

گردن کا مسح بدعت ہے

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا جو طریقہ اختیار فرمایا، اس میں گردن کے مسح کا کوئی ذکر نہیں، نہ ہی آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے گردن کا مسح کیا، لیکن اس کے باوجود تقلید پرست اسے ''مستحب'' کہتے ہیں، چنانچہ جناب انوارِ خورشید دیو بندی لکھتے ہیں:

''گردن (گدی) پر مسح کرنا مستحب ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث: ۱۸۲)

قارئین کرام! آلِ تقلید کی چالاکی دیکھیں کہ جب انہوں نے گردن کے مسح کی کوئی حدیث نہ پائی تو اکابر پرستی کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی خلافِ سنت فقہ کو بچانے کے لیے گردن کا معنیٰ ''گدی'' کرنا شروع کر دیا، حالانکہ ہمارا محلِّ نزاع گردن کے دونوں طرف الٹے ہاتھ پھیرتے ہوئے مسح کرنا ہے، نہ کہ سر کا مسح کرتے ہوئے گدی کو چھونا، تقلید پرست آج بھی گردن کے پہلو پر الٹے ہاتھوں سے مسح کرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ اس عمل سے فرار اختیار نہ کریں، بلکہ اسی پر ثابت قدم رہتے ہوئے اس پر کوئی ایک ''صحیح'' حدیث پیش کر دیں، قیامت تک مہلت ہے۔ **فان لّم تفعلوا ولن تفعلوا فاتّقوا النّار الّتی وقودھا النّاس والحجارۃ.**

آیئے ان کے مزعومہ دلائل کا جائزہ لیتے ہیں:

دلیل نمبر ۱:

[[عن ابن عمر أنّ النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قال : من توضّا ومسح علیٰ عنقه ، وُقِی الغلّ یوم القیمة .(التلخیص الحبیر)

حضرت ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن (گدی) پر مسح کیا تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچا لیا جائیگا۔]]

(حدیث اور اہلحدیث: ۱۸۲۔۱۸۳، اعلاء السنن: ۱/ ۱۲۰)

تبصرہ:

(ا) یہ روایت ''ضعیف'' ہے، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **بین ابن فارس وفلیح مفازۃ .**

''ابنِ فارس اور فلیح کے درمیان (انقطاع کا) لمبا صحرا ہے۔'' (التلخیص الحبیر: ۱/۹۳)

دیوبندیوں کو چاہیے کہ اس کی مکمل سند پیش کریں، اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ''متصل، صحیح'' احادیث کا نام ہے، نہ کہ ''منقطع اور ضعیف'' روایات کا!

(ب) اس ''ضعیف'' روایت میں بھی ان کے مروّجہ، یعنی الٹے ہاتھوں گلے تک مسح کا کوئی ثبوت نہیں۔

دلیل نمبر ۲:

[[عن ابن عمر أنّ النبیّ صلّى اللّٰه علیه وسلّم قال : من توضّا ومسح یدیه علىٰ عنقه أمن یوم القیٰمة من الغلّ .(مسند فردوس مع تسدید القوس ج ۴ ص ۴۴)

حضرت ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھ اپنی گردن (گدی) پر پھیرے تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے مامون رہے گا۔]]

(حدیث اور اهلحدیث : ۱۸۳، اعلاء السنن : ۱/ ۱۲۰)

تبصرہ : یہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے، بے سروپا باتوں کا دینِ حق سے کوئی تعلق ہے؟

دلیل نمبر ۳:

[[عن لیث عن طلحة بن مصرّف عن أبیه عن جده أنه رآى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه علیه وسلّم مسح مقدّم رأسه حتّٰى بلغ القذال من مقدّم عنقه (طحاوی ج ۱ ص ۲۸)

حضرت طلحہ بن مصرف بروایت اپنے والد، اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا حتی کہ آپ (اپنے ہاتھ) سر کے آخر حصہ تک لے گئے۔]]

(حدیث اور اهلحدیث : ۱۸۳، اعلاء السنن : ۱/ ۱۲۰-۱۲۱)

تبصرہ :

(ا) اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ لیث بن ابی سُلَیم جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''مختلط'' ہے، امام احمد بن حنبل، امام دارقطنی، امام یحیٰی بن مَعین، امام ابوحاتم الرازی، امام ابوزرعہ الرازی، امام نسائی، امام ابن عدی اور جمہور محدّثین نے اسے حدیث میں نا قابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔

اس کے بارے میں حافظ عراقی (۷۲۵-۸۰٦) لکھتے ہیں: ضعّفه الجمهور. ''جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے۔'' (المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار : ۱۷۸/۲، تخریج احادیث الاحیاء للحداد : ١٦٤٨)

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: وضعّفه الأكثر . ''اکثر محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔''
(مجمع الزوائد: ۱/ ۲۰۹۱،۹۰/ ۱۷۸)

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ضعيف عند الجمهور.** ''جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔''
(البدر المنير لابن الملقن: ۱۰٤/۲)

بوصیری کہتے ہیں: **ضعّفه الجمهور.** ''اس کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔'' (زوائد ابن ماجه: ٥٤)

حافظ ابن حجر نے اس کو ''ضعیف الحفظ'' کہا ہے۔ (تغليق التعليق لابن حجر: ۳۳۷/۲)

اب بھی دیوبندیوں کا اس کی روایات سے استدلال کرنا نہایت تعجب خیز ہے۔

(ب) سر کا مسح کرتے ہوئے گدی تک ہاتھ لے جانا محلِ نزاع نہیں، بلکہ آلِ تقلید کو چاہیے کہ کہ وہ گردن کے اطراف کا مسح کرتے ہوئے دونوں الٹے ہاتھوں کو گلے تک لے جانے پر کوئی ایک حدیث پیش کر دیں۔

دلیل نمبر ٤:

[[**عن طلحة عن أبيه عن جده أنه رآى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يمسح رأسه حتّٰى بلغ القذال وما يليه من مقدّم العنق بمرّة (مسند احمد ج ۳ ص ٤٨١)**

حضرت طلحہ بروایت اپنے والد، اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے سر پر مسح فرما رہے ہیں یہاں تک کہ آپ (اپنے ہاتھ) سر کے آخری حصے اور اس سے متصل گردن کے اوپر کے حصہ تک ایک بار لے گئے۔]] (حدیث اور اهلحدیث: ۱۸۳۔۱۸٤)

تبصرہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **واسناده ضعيف كما تقدم .**

''اس کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔'' (التلخيص الحبير: ۹۲/۱)

یہ بالکل سابقہ روایت ہے، لیث بن ابی سلیم پر جرح آپ پڑھ چکے ہیں، دیوبندی صاحب نے خوامخواہ صرف کتاب کا حجم بڑھانے کے لیے بار بار وہی خام مال لوڈ کیا ہے، ابھی بھی ان کا دعوٰی ہے کہ ہمارے پاس بہت سے حدیثی دلائل ہیں، یہ ہے ان کے دلائل کی حیثیت!

دلیل نمبر ٥:

[[**عن موسى بن طلحة قال : من مسح قفاه مع رأسه وقى الغلّ يوم القيمة ، قلت : فيحتمل**

أن يقال هٰذا وان كان موقوفا فله حكم الرّفع (التلخيص الحبير ج ١ ٩٢)

حضرت موسیٰ بن طلحہؒ فرماتے ہیں جس نے اپنے سر کے ساتھ گردن کا بھی مسح کیا وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچا لیا جائے گا، حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگر چہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔'']] (حدیث اور اهلحدیث: ۱۸٤، اعلاء السنن: ۱/ ۱۲۲)

تبصرہ :

اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، عبدالرحمٰن بن عبداللہ المسعودی آخری عمر میں ''اختلاط'' کا شکار ہو گئے تھے، عبدالرحمٰن بن مہدی جو اس روایت کو ان سے بیان کر رہے ہیں، انہوں نے ''اختلاط'' کے بعد ان سے روایت لی ہے، چنانچہ ابنِ نُمیر کہتے ہیں:

المسعودیّ کان ثقةً ، فلمّا کان بأخرة اختلط ، سمع منه عبدالرّحمٰن بن مهدیّ ویزید بن هارون أحادیث مختلطةً.

''مسعودی ثقہ تھا، لیکن آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گیا تھا، عبدالرحمٰن بن مہدی اور یزید بن ہارون نے اس سے اختلاط والی روایات سنی ہیں۔'' (الجرح والتعدیل: ۲۵۱/۵، وسندهٗ صحیح)

یہ جرح مفسر ہے اور جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ موسیٰ بن طلحہ تابعی ہیں اور ڈائریکٹ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر رہے ہیں، اس وجہ سے یہ ''مرسل'' بھی ہے، لہٰذا یہ روایت ناقابلِ حجت ہے، اسی لیے دیوبندیوں کے حصے میں آئی ہے۔

دلیل نمبر ٦ :

[[حدثنی طلحة بن مصرف عن أبیه عن جده کعب بن عمرو الیمامی أنّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم توضّأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا یأخذ لکلّ واحدة ماء جدیدا وغسل وجهه ثلاثا فلمّا مسح رأسه قال هکذا وأومأ بیده من مقدّم رأسه حتی بلغ بهما الی أسفل عنقه من قبل قفاه.(غایة المقصود ج ١ ص ٧٣١)

حضرت کعب بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، ہر مرتبہ آپ نیا پانی لیتے تھے پھر تین دفعہ چہرہ کو دھویا جب آپ نے سر پر مسح کیا تو اس طرح کیا۔ راوی نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سر کے اگلے حصے

سے (مسح شروع کیا) یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں کو گدی کی طرف سے گردن کے نیچے تک لے گئے۔]]
(حدیث اور اهلحدیث : ۱۸٤۔۱۸۵، اعلاء السنن : ۱/ ۱۲۱)

تبصرہ :

یہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود و باطل اور نا قابلِ التفات ہے، بے سند روایات جمع کر کے اسے تحقیق کا نام دینا آلِ تقلید کا ہی خاصہ ہے۔

دلیل نمبر ۷ :

[[عن وائل بن حجر (فی حدیث طویل)فغسل وجهه ثلثا وخلّل لحيته ومسح باطن أذنيه ثمّ أدخل خنصره فی داخل أذنه ليبلغ الماء ثمّ مسح رقبته وباطن لحيته من فضل ماء الوجه ... الحديث .(معجم کبیر طبرانی ج ۲۲ ص ۴۲)

حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا پھر ڈاڑھی میں خلال کیا اور کانوں کے اندر مسح فرمایا چھنگلی کان میں ڈال کرتا کہ پانی پہنچ جائے پھر آپ نے گردن (گدی) کا اور ڈاڑھی کے اندر کا مسح کیا چہرہ کے بچے ہوئے پانی سے۔]]
(حدیث اور اهلحدیث : ۱۸۵، اعلاء السنن : ۱/ ۱۲۳)

تبصرہ :

(ا) اس کی سند کئی وجوہ سے سخت ''ضعیف'' ہے:

۱☆ محمد بن حجر راوی ''ضعیف'' ہے، اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں:

فیه بعض النّظر . ''اس میں بعض نظر ہے۔'' (التاریخ الکبیر : ۱/ ٦۹)

ابواحمد الحاکم فرماتے ہیں:

لیس بالقویّ عندهم . (لسان المیزان : ٥/ ۱۱۹)

۲☆ سعید بن عبد الجبار کے بارے میں حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں: **ضعیفٌ .** (تقریب التهذیب : ۲۳٤٤)

۳☆ ام یحییٰ ''مجہولہ ہے، اس کے حالات نہیں مل سکے، جناب ابنِ ترکمانی حنفی لکھتے ہیں:

وأمّ عبدالجبّار هی أمّ یحییٰ ، لم أعرف حالها ولا اسمها .

''عبد الجبار کی والدہ ہی امّ یحییٰ ہے، نہ میں اس کے حالات سے واقف ہوا ہوں اور نہ اس کے نام سے۔''
(الجوهر النقی : ۲/ ۳۰)

(ب) قارئین اگر ''طبرانی کبیر'' اٹھا کر اس روایت کا خود مطالعہ کریں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ آلِ دیوبند نے ہمارے خلاف یہ روایت پیش کرتے وقت بازارِ علم میں تاجِ خیانت مُول لیا ہے، بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہو گا کہ وہ اس میدان کے بے تاج بادشاہ بن گئے ہیں، وہ اس طرح کہ بالکل اسی روایت کے اندر سینے پر ہاتھ باندھنے، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین اور اونچی آواز سے آمین کہنے وغیرہ کا بھی ذکر موجود ہے، جسے دیوبندی صاحب ''الحدیث'' کہہ کر بغیر ڈکار کے ہضم کر گئے ہیں، ان سے سوال ہے کہ وہ اس روایت کی روشنی میں گردن کے مسح کے ساتھ ساتھ دوسری تمام سنتوں پر عمل کیوں نہیں کرتے اور صرف گردن کے مسح کو لے کر ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ کے مصداق کیوں بنتے ہیں؟

دلیل نمبر ۸ :

[[عن وائل بن حجر (فی حدیث طویل) ثمّ مسح علیٰ رأسه ثلثا وظاهر أذنیه ثلثا وظاهر رقبته وأظنّه قال وظاهر لحیته ثلثا الحدیث .(کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۱ ص ۱۴۰)

حضرت وائل بن حجرؓ سے (ایک دوسری حدیث میں) مروی ہے کہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سر پر تین دفعہ مسح کیا اور کانوں کے اوپر کے حصہ پر تین دفعہ مسح کیا اور گردن کے اوپر کے حصہ (گدی) پر راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت وائل نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈاڑھی کے اوپر کے حصہ پر (بھی) تین دفعہ مسح کیا۔]] (حدیث اور اهلحدیث : ۱۸۵۔۱۸۶، اعلاء السنن : ۱/ ۱۲٤)

تبصرہ :

یہ بالکل سابقہ روایت ہے، آلِ دیوبند ''ضعیف'' روایات کو بار بار ذکر کر کے اپنے ناخواندہ حواریوں کو یہ طفل تسلیاں دیتے ہیں کہ ان کے پاس بہت زیادہ احادیث ہیں، اس دعوے کی حقیقت قارئین جان ہی چکے ہیں، مزید تسلی کے لیے گزشتہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆ انوارِ خورشید صاحب اپنے دلائل کی کل کائنات پیش کرنے کے بعد یوں تبصرہ کرتے ہیں:

[[مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ دورانِ وضو گردن (گدی) پر مسح کرنا مستحب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی گردن (گدی) پر مسح فرمایا ہے اور لوگوں کو بھی گردن (گدی) پر مسح کی ترغیب دی ہے۔ لیکن ان تمام احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ احادیث میں گردن پر مسح کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ گردن پر مسح کرنا ''احداث فی الدین'' ہے۔]] (حدیث اور اهلحدیث : ۱۸٦)

تبصرہ در تبصرہ :

ان کے ذکر کردہ ''احادیث وآثار'' کی قلعی ہم نے کھول دی ہے، ان میں سے ایک روایت بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی، دین ''صحیح احادیث'' کا نام ہے، نہ کہ ''ضعیف و من گھڑت'' روایات کا، اس پر طُرّہ یہ کہ ان کے ہاں مروّجہ گردن کا مسح (گردن کے پہلو پر الٹے ہاتھ پھیرنا) تو ان ''ضعیف'' روایات سے بھی ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا نہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گردن کا مسح فرمایا ہے اور نہ ہی لوگوں کو اس کی ترغیب دی ہے، بلکہ یہ محض آلِ تقلید کا ایک شوشہ ہے، ایسی بے بنیاد روایات کی مخالفت اہلحدیثوں کو چنداں مضر نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ عمل بدعت ہے۔

☆☆☆ دیوبندی صاحب مزید لکھتے ہیں:

[[یہ ہے غیر مقلدیت کا نتیجہ کہ بے دھڑک فعلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت کہہ دیا۔ العیاذ باللہ]]

تبصرہ در تبصرہ :

یہ ہے تقلید پرستی کا انجام کہ بے دھڑک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور متبع سنت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے غیر ثابت شدہ خود ساختہ عمل کو مستحب کہہ دیا، العیاذ باللہ!!!

اب قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ ایسے عمل کو مستحب قرار دینا جو نہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہو، نہ صحابہ کو اس کی تعلیم دی ہو اور نہ ہی صحابہ کرام نے کیا ہو،

یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟

★ ★ ★

آیت الکرسی

ابوسعید

سیدنا ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ آیة الکرسیّ دبر کلّ صلوٰة مّکتوبة لم یمنعه من دخول الجنّة الّا الموت .

''جو ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے، سوائے موت کے کوئی چیز اس کو جنت میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتی۔''

(السنن الکبریٰ للنسائی : ۹۹۲۸، المعجم الکبیر للطبرانی : ۸/ ۱۳٤، کتاب الصلوٰة لابن حبان کما فی اتحاف المهرة لابن حجر : ٦/ ۲۵۹، ح : ٦٤٨٠، وسندهٗ حسن)

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا؟

غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یقیناً سایہ تھا، بعض لوگ حافظ سیوطی کی کتاب ''خصائصِ کبرٰی'' میں ذکر کردہ روایت آپ کے سایہ کی نفی میں پیش کرتے ہیں، جبکہ ائمہ اہلِ سنت میں سے کوئی بھی اس عقیدہ کا حامل نہیں رہا، ''صحیح'' احادیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ مبارک ثابت ہے:

۱☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹوں میں ایک فالتو اونٹ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا ہے، آپ اسے اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ دے دیں تو بہتر ہے، زینب رضی اللہ عنہا نے کہا، میں ایک یہودیہ کو اونٹ دوں؟ (صفیہ رضی اللہ عنہا ایک یہودی سردار حییُ بن اخطب کی بیٹی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب کے پاس دو یا تین ماہ تک نہ گئے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں مایوس ہو گئی، میں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹا دی، کہتی ہیں:

فبينما أنا يوماً بنصف النّهار اذا أنا بظلّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم مقبل .

''ایک دن دوپہر کے وقت میں نے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک آتے دیکھا۔''

(مسند الامام احمد : ٦ /١٣٢، ٢٦١، طبقات ابن سعد : ٨ /١٢٦ـ١٢٧، وسندهٗ صحيح)

اس حدیث کی راویہ شمیسہ بنتِ عزیز کے بارے میں امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ''ثقہ'' ہے۔

(تاريخ الدارمى عن ابن معين : ت ٤١٨، الجرح والتعديل لابن ابى حاتم : ٤ /٣٩١)

نیز امام شعبہ نے اس سے روایت لی ہے، وہ ''ثقہ'' سے روایت لینے میں مشہور ہیں، اس پر ''جرح'' کا ادنٰی کلمہ بھی ثابت نہیں ہے، لہٰذا بلا شبہ یہ ''ثقہ'' ہے۔

یہی روایت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ (مسند الامام احمد : ٦ /٣٣٨)

یہ حدیث نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ مبارک کے ثبوت پر نصِ صریح ہے۔

۲☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، اس دوران آپ نے اپنا ہاتھ مبارک پھیلایا، پھر پیچھے کھینچ لیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم

نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! آپ نے اس نماز میں ایک ایسا کام کیا ہے، جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے جنت دیکھی، وہ مجھ پر پیش کی گئی، اس میں مَیں نے انگوروں کی بیل دیکھی، جس کے خوشے (گچھے) قریب قریب تھے، اس کے دانے کدو کی طرح تھے، میں نے اس سے کچھ کھانے کا ارادہ کیا تو جنت کی طرف اس بات کا اشارہ کیا گیا کہ وہ پیچھے ہٹ جائے، چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گئی، پھر مجھ پر جہنم پیش کی گئی، اس جگہ جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، حتّٰی رأیت ظلّی وظلّکم (یہاں تک کہ میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا)، میں نے تمہاری طرف اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ تو میری طرف وحی کی گئی کہ ان کو اپنی جگہ کھڑا رہنے دیں، بے شک آپ نے بھی اسلام قبول کیا اور انہوں نے بھی اسلام قبول کیا، آپ نے ہجرت کی اور انہوں نے بھی ہجرت کی ہے، آپ نے جہاد کیا اور انہوں نے بھی جہاد کیا، پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے اپنے لیے سوائے نبوّت کے تم پر کوئی فضیلت نہیں دیکھی۔''

(صحیح ابن خزیمۃ: ۲/۵۱، وسندہٗ صحیح)

اس حدیث کو امام ابوعوانہ (کما فی اتحاف المھرۃ لابن حجر: ۲/ ۱۲، ح: ۱۰۹۶) **اور حافظ الضّیاء المقدسی** (المختارۃ: ۲۱۳۶) نے ''صحیح'' کہا ہے، امام ابوعوانہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ایک ہزار احادیث کے برابر ہے۔

امام حاکم (۴/ ۴۵۶) نے اس کو ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی نے ''صحیح'' کہا ہے۔

یہ حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ مبارک کے ثبوت پر بیّن دلیل ہے۔

تنبیہ : بعض الناس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ مبارک کی نفی میں یہ روایت پیش کرتے ہیں:

أخرج الحکیم التّرمذیّ من طریق عبدالرّحمٰن بن قیس الزّعفرانیّ عن عبدالملک بن عبداللّٰہ بن الولید عن ذکوان أنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لم یکن یُرٰی لہ ظلّ فی شمس ولا قمر.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں نظر آتا تھا نہ چاند کی چاندنی میں۔''

(الخصائص الکبرٰی للسّیوطی: ۱/ ۷۱)

تبصرہ : یہ روایت جھوٹ کا پلندہ ہے، (۱) اس کا راوی عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی ''متروک و کذاب'' ہے، (۲) عبدالملک بن عبداللہ کو ملا علی القاری حنفی نے ''مجہول'' کہا ہے۔ (شرح الشفاء: ۳/ ۲۸۲، طبع مصر) (۳) ذکوان تابعی ہیں، لہٰذا یہ ''مرسل'' ہے، اس لیے قابلِ حجت نہیں ہے، نیز یہ صحیح احادیث کے مخالف بھی ہے۔

رکوع کی دعائیں

ابنِ حسن المحمدی

☆☆☆ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں:

لمّا نزلت ﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ﴾(الواقعۃ: ٧٤) **قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: اجعلوھا فی رکوعکم، فلمّا نزلت ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی ﴾**(الاعلیٰ: ١) **قال: اجعلوھا فی سجودکم.**

''جب ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ﴾ (الواقعۃ: ٧٤) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے رکوع میں پڑھو، جب ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی﴾(الاعلیٰ: ١) نازل ہوئی تو فرمایا، یہ سجدہ میں پڑھو۔''
(سنن ابی داؤد: ٨٦٩، سنن ابن ماجه: ٨٨٧، المستدرك للحاكم: ١/ ٢٢٥، وسندهٗ صحيح)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (٦٠١)، اور امام ابنِ حبان (١٨٩٨) نے ''صحیح'' اور امام حاکم نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، موسیٰ بن ایوب الغافقی کو امام ابنِ معین کے علاوہ جمہور نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے دوسرے راوی ایاس بن عامر کو امام عجلی، امام یعقوب بن سفیان، امام ابنِ خزیمہ، امام ابنِ حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ نے ''ثقہ'' کہا ہے، لہٰذا حافظ ذہبی کی تعلیل مردود ہے، حافظ نووی (خلاصة الاحكام للنووی: ١/ ٣٩٦) نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔

ثابت ہوا کہ رکوع و سجود میں دعا پڑھنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، لہٰذا انتہائی عاجزی و انکساری، خشوع و خضوع اور حضورِ قلب و یقین کے ساتھ رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت و ماثور دعائیں پڑھیں، اس حدیث کی وضاحت درجِ ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

(١) سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ (تہجد) ادا کی، (حدیث ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں):

ثمّ رکع، فجعل یقول: سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ، فکان رکوعه نحواً من قیامه.

''پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع فرمایا تو (رکوع میں) سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ (پاک ہے میرا رب عظمت والا) شروع کیا، آپ کا رکوع آپ کے قیام کے برابر تھا۔'' (صحیح مسلم: ٧٧٢)

٢ ☆ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ کو اکٹھا کر کے نماز پڑھ کر دکھائی اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قرار دیا: ثم کبر، فرکع، فقال : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، ثلاث مرارٍ .

''پھر آپ نے اللہ اکبر کہا، رکوع کیا، پھر تین بار کہا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ (اللہ پاک ہے، اس کی تعریف ہے)۔'' (مسند الامام احمد : ٥ /٣٤٣، وسندهٗ حسن)

اس کے راوی شہر بن حوشب جمہور کے نزدیک ''ثقہ'' ہیں۔

٣ ☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں یہ دعا کثرت سے پڑھا کرتے تھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ .

''اے اللہ! تو پاک ہے، اے ہمارے رب! تیری ہی تعریف ہے، اے اللہ! مجھے معاف فرما۔''

(صحیح بخاری : ٧٩٤، صحیح مسلم : ٤٨٤)

٤ ☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھتے :

سُبُّوْحٌ ، قُدُّوْسٌ ، رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ . ''(اللہ) نہایت پاک، بہت زیادہ بڑائی اور عظمت والا اور عیوب و نقائص سے خوب پاک و منزہ ہے، جو فرشتوں اور روح (جبریل) کا رب ہے۔'' (صحیح مسلم : ٤٨٧)

٥ ☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا، میں نے خیال کیا کہ آپ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس گئے ہوں گے، میں نے تلاش کیا، پھر واپس لوٹی کہ اچانک آپ کو پایا کہ رکوع یا سجدہ میں یہ دعا پڑھ رہے تھے:

سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ .

''تو پاک ہے، تیری ہی تعریف و ثنا ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ (برحق) نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم : ٤٨٥)

٦ ☆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں یہ دعا پڑھی:

اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ ، وَبِكَ آمَنْتُ ، وَلَكَ اَسْلَمْتُ ، اَنْتَ رَبِّيْ ، خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ وَمَا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ قَدَمِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .

''اے اللہ! میں نے صرف تیرے ہی لیے رکوع کیا اور تجھ پر ہی ایمان لایا، تیرا ہی مطیع ہوں، تو ہی میرا رب ہے، میرے کان، میری آنکھیں، میرا سر، میری ہڈیاں، میرے پٹھے اور (جسم) جسے میرے پاؤں اٹھائے ہوئے ہیں، اللہ رب العٰلمین کے لیے خشوع و عاجزی کرنے والے ہیں۔''

(صحیح مسلم : ٧٧١، مسند الامام احمد : ١ /١١٩، واللفظ لهٗ)

۷☆ سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (نماز میں) کھڑا ہوا، آپ نے سورۂ بقرہ کی قراءت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت والی آیت سے گزرتے تو رک کر رحمت کا سوال کرتے، عذاب والی آیت سے گزرتے تو رک کر پناہ طلب کرتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قیام کی مقدار رکوع کیا اور رکوع وسجدہ میں یہ دعا پڑھی:

سُبْحَانَ ذِیْ الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَۃِ .

''قہر وقدرت، طاقت وعظمت، عظیم الشان سلطنت و بادشاہت، کبریائی اور عظمت والے اللہ کی میں تسبیح بیان کرتا ہوں۔'' (سنن أبی داؤد: ۸۷۳، سنن نسائی: ۱۰۵۰، وسندہٗ صحیح)

حافظ نووی نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ (خلاصۃ الاحکام: ۱/ ۳۹٦)

۸☆ سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ ، وَبِکَ آمَنْتُ ، وَلَکَ اَسْلَمْتُ ، وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ ، اَنْتَ رَبِّیْ ، خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَدَمِیْ وَلَحْمِیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .

''اے اللہ! میں نے صرف تیرے لیے رکوع کیا اور تجھ پر ہی ایمان لایا، صرف تیرے لیے مطیع وفرمانبردار ہوں، میں صرف تجھ پر توکل وبھروسہ کرتا ہوں، تو میرا رب ہے، میرے کان، میری آنکھیں، میرا خون، میرا گوشت، میری ہڈیاں اور میرے پٹھے ڈر کر اللہ رب العلمین کے لیے جھک گئے ہیں۔''

(سنن نسائی: ۱۰۵۲، وسندہٗ صحیح)

فائدہ نمبر ۱:

رکوع وسجدے میں قرآن پڑھنا ممنوع ہے، جیسا کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ألا وانّی نھیت أن أقرا القرآن راکعاً او ساجداً .

''آگاہ رہو کہ رکوع وسجود کی حالت میں قرآن پڑھنے سے مجھے منع کیا گیا ہے۔'' (صحیح مسلم: ٤٩٧)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ٤٨٠) بیان کرتے ہیں:

نھانی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم أن أقرا القرآن راکعاً او ساجداً.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حالتِ رکوع وسجود میں قرآن پڑھنے سے منع فرمادیا ہے۔''

فائدہ نمبر ۲: کم از کم تسبیحات تین مرتبہ پڑھیں، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ کو جمع کر کے نماز پڑھ کر دکھائی اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قرار دیا:

ثم کبّر، فرکع، فقال : سُبُحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمُدِہٖ، ثلاث مرارٍ .

''پھر آپ نے اللہ اکبر کہا، رکوع کیا، پھر تین بار کہا سُبُحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمُدِہٖ (اللہ پاک ہے، اس کی تعریف ہے)۔'' (مسند الامام احمد : ۵ /۳۴۳، وسندہٗ حسن)

جعفر بن برقان رحمہ اللہ کہتے ہیں:

سألت میموناً عن مقدار الرّکوع والسّجود، فقال : لا أدری أن یکون أقلّ من ثلاث تسبیحات، قال جعفر : فسألت الزّھری، فقال : اذا وقعت العظام واستقرّت، فقلت لہ : انّ میموناً یقول : ثلاث تسبیحات، فقال : ھو الّذی أقول لک نحوٌ من ذٰلک .

''میں نے میمون بن مہران تابعی رحمہ اللہ سے رکوع وسجود کی مقدار کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا، میں تین تسبیحات سے کم درست خیال نہیں کرتا، جعفر بن برقان کہتے ہیں، میں نے امام زہری رحمہ اللہ (تابعی) سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا، جب ہڈیاں اپنی جگہ پر پہنچ جائیں اور قرار پکڑ لیں، میں نے کہا کہ میمون تو کہتے ہیں کہ (کم از کم) تین تسبیحات ہوں تو فرمایا کہ میں بھی یہی کہتا ہوں۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۱ /۲۵۰، ح : ۲۵۸۳، وسندہٗ صحیح)

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: **التّامّ من السّجود قدر سبع تسبیحات، والمجزئ ثلاث.**

''مکمل سجدہ تو سات تسبیحات سے ہوتا ہے، تین بھی جائز ہیں۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۱ /۲۵۰، وسندہٗ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ بھی (کم از کم) تین دفعہ دعا پڑھنے کے قائل ہیں۔ (الام للشافعی : ۱ /۱۱۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (مسائل احمد لابنہ عبداللہ : ۷۴)

ثابت ہوا کہ رکوع وسجود میں کم از کم تین بار تسبیحات پڑھنی چاہئیں، زیادہ سے زیادہ کی حد متعین نہیں، ان دعاؤں میں سے کوئی دعا انتہائی عاجزی وانکساری، خشوع وخضوع اور حضورِ قلب اور یقین کے ساتھ پڑھیں، دنیا وآخرت کی بھلائیاں سمیٹ لیں، یہ نورانی اور مبارک دعائیں خود بھی باترجمہ پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی یاد بھی کروادیں۔

عمل نمبر ۲:

یوم عاشوراء کا روزہ

یومِ عاشوراء یعنی دسویں محرم الحرام کا روزہ مشروع ہے، سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کے بارے میں حکم بھی دیا تو صحابہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم اگلے سال نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔''

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔(صحیح مسلم : ۱۱۳٤)

اس حدیثِ مبارک سے نویں اور دسویں محرم الحرام کے روزے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ یومِ عاشوراء دسویں محرم ہے۔

حکم بن اعرج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چاہِ زمزم کے پاس اپنی چادر کو تکیہ بنا کر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اسی اثنا میں میں بھی پہنچ گیا، میں نے عرض کی کہ مجھے یومِ عاشوراء کے بارے بتائیے، فرمانے لگے:

''جب آپ محرم کا چاند دیکھ لیں تو گنتی شروع کر دیں اور نویں محرم کی صبح کو روزہ رکھ لیں، میں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل مبارک تھا؟ فرمایا، ہاں۔''(صحیح مسلم : ۱۱۳۳)

حافظ بیہقی اس روایت کا مطلب واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گویا کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ یومِ عاشوراء کے ساتھ نویں محرم کا روزہ بھی مشروع ہے، آپ نے سائل کے جواب میں ہاں اس لیے کہہ دیا کہ وہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نویں محرم کے روزے کا ارادہ بیان کرتے ہیں۔''(السنن الکبریٰ للبیہقی : ۲۸۷/٤)

اس کی وضاحت سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

صوموا التّاسع والعاشر وخالفوا الیھود.

''نویں اور دسویں محرم کا روزہ رکھ کر یہودیوں کی مخالفت کرو (وہ صرف یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے)۔''(السنن الکبریٰ للبیہقی : ۲۸۷/٤، وسندہٗ صحیح)

خلع والی عورت کی عدت کتنی ہو گی؟

غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری

خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے کیونکہ:

۱☆ ثابت بن قیس بن شماس نے اپنی بیوی جمیلہ بنتِ عبداللہ بن اُبی کو مارا، اس کا ہاتھ توڑ دیا، ان کا بھائی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی شکایت لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف آدمی بھیجا، اسے فرمایا:

خذ الّذی لها علیک وخلّ سبیلها ، قال : نعم ، فأمر رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم أن تتربّص حیضةً واحدةً ، فتلحق بأهلها .

''تم وہ حق مہر رکھ لو جو اس عورت کا تمہارے ذمہ ہے اور اس کا راستہ چھوڑ دو، اس نے کہا، ٹھیک ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (جمیلہ) کو ایک حیض انتظار کرنے کا حکم دیا، پھر وہ اپنے گھر والوں کے پاس چلی جائے۔'' (سنن نسائی: ۳۵۲۷، وسندہٗ صحیح)

۲☆ **عن عبادة بن الصّامت عن الرّبیع بنت معوّذ بن عفراء ، قال : قلت لها : حدّثینی حدیثک ، قالت : اختلعت من زوجی ، ثمّ جئت عثمان ، فسألت : فماذا علی من العدّة ؟ فقال : لا عدّة علیک الّا أن یکون حدیث عهد بک فتمکثین عندهٗ حتّٰی تحیضین حیضةً ، قالت : وانّما تبع فی ذٰلک قضاء رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فی مریم المُغَالِیَةِ وکانت تحت ثابت ابن قیس ، فاختلعت منه .**

''سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدہ ربیع بنتِ معوّذ بن عفرا سے کہا کہ مجھ سے اپنی آپ بیتی بیان کرو، اس نے کہا، میں نے اپنے خاوند سے خلع لے لیا، پھر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور سوال کیا کہ کیا مجھ پر کوئی عدّت ہے؟ آپ نے فرمایا، تجھ پر کوئی عدت نہیں، ہاں شروع شروع میں تو اس کے پاس ٹھہر حتی کہ ایک حیض گزار لے، کہتی ہیں کہ سیدنا عثمان نے اس فیصلے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے کی پیروی کی ہے، جو آپ نے مریم المغالیہ کے بارے میں فرمایا تھا، وہ ثابت بن قیس کے نکاح میں تھیں، پھر ان سے خلع لے لیا۔''

(سنن ابن ماجه : ۲۰۵۸، السنن الصغرٰی للنسائی : ۳۵۲۸، السنن الکبرٰی للنسائی : ۵۶۹۲، المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۴ /۲۶۵_۲۶۶، وسندہٗ حسن)

۳☆ عن الرّبیع بنت معوّذ بن عفراء أنّها اختلعت علیٰ عهد النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فأمرها النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم أو أمرت أن تعتدّ بحیضةٍ .

''ربیع بنتِ معوّذ بن عفرا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں خلع لیا، ان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا یا اسے ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا گیا۔''

(سنن ترمذی : ۱۱۸۵، وسندہٗ صحیح وصححہ ابن الجارود : ۷۶۳)

۴☆ عن ابن عباس أن امراة ثابت بن قیس اختلعت من زوجها علٰی عهد النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فأمرها النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم أن تعتدّ بحیضةٍ .

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اپنے خاوند سے خلع لیا، آپ نے اسے ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔''

(سنن أبی داؤد : ۲۲۲۹، سنن ترمذی : ۱۱۸۵ /م، وسندہٗ صحیح)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ''حسن غریب'' قرار دیا ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **عدّة المختلعة حیضةٌ .** ''حائضہ کی عدت ایک حیض ہے۔''

(موطا الامام مالك بروایة یحییٰ : ۲ /۵٦٥، سنن أبی داؤد : ۲۲۳۰، وسندہٗ صحیح)

نافع بیان کرتے ہیں: **وکان ابن عمر یقول : تعتدّ ثلاث حیض ، حتّٰی قال هٰذا عثمان ، فکان یُفتی به ویقول : خیرنا وأعلمنا .**

''سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما (پہلے) فرماتے تھے کہ وہ (خلع والی عورت) تین حیض عدت گزارے گی، یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ (ایک حیض عدت کا حکم) فرمایا تو آپ اسی (ایک حیض) کے مطابق فتوی دینے لگے اور فرمایا کرتے تھے، آپ (عثمان رضی اللہ عنہ) ہم میں سے بہتر اور زیادہ علم والے ہیں۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۱۱۴/۵، وسندہٗ صحیح)

تنبیه :

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقال أکثر أهل العلم من أصحاب النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم وغیرهم : انّ عدّة المختلعة عدّة المطلّقة ، ثلاث حیض .

''صحابہ کرام اوران کے علاوہ اکثر اہلِ علم کا کہنا ہے کہ خلع والی عورت کی عدت مطلقہ عورت کی طرح تین حیض ہے۔'' (جامع ترمذی تحت حدیث : ۱۱۸۵ / م)

امام ترمذی کی یہ بات محلِّ نظر ہے، کسی صحابی سے خلع والی عورت کی عدت تین حیض ہونا ثابت نہیں، سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے جو روایت ہے، اس سے آپ کا رجوع بھی ثابت ہے، **والحمد للہ !**

امام اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان ذهب ذاهب الٰی هذا ، فهو مذهبٌ قویٌّ .

''جس کا یہ مذہب ہے کہ خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے تو یہ مذہب قوی ہے۔''

(جامع ترمذی تحت حدیث : ۱۱۸۵ / م)

اعتراض نمبر ۱:

جناب تقی عثمانی دیوبندی حیاتی پہلی حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

[[جمہور کے نزدیک حدیثِ باب میں ''حیضۃ'' سے مراد جنسِ حیض ہے، اس پر بعض ان روایات سے اشکال ہوتا ہے، جن میں ''حیضۃ'' کے ساتھ ''واحدۃ'' کی قید مصرح ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہے، دراصل اس ''حیضۃ'' میں ''ۃ'' تائے وحدت نہیں بلکہ بیانِ جنس کے لیے ''ۃ'' لائی گئی ہے۔]]

(درسِ ترمذی از تقی : ۳/۴۹۶)

تبصرہ :

یہ تحکمِ محض ہے، آلِ تقلید اور منکرینِ حدیث کی مشترکہ کاوش ہے کہ جو حدیث اپنے مذہب کے خلاف پاتے ہیں، اس کو ''راوی کا تصرف'' وغیرہ کہہ کر دینِ اسلام کو مطعون و مشکوک گردانتے ہوئے ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے۔

''حیضۃ'' یہ حاض یحیض کا مصدر ہے، یہ اصل میں ''حیض'' تھا، اس میں ''ۃ'' وحدت کی ہے، ثلاثی مجرد کا مصدر ''فَعْلَۃٌ'' کے وزن پر آئے تو وحدت کا فائدہ دیتا ہے، ثلاثی مجرد کا مصدر یا تو ''ۃ'' سے خالی ہوگا یا ''ۃ'' کے ساتھ مستعمل ہوگا جیسے ''رحمۃ'' ہے، اگر ''ۃ'' سے خالی ہو اور اس سے وحدت مراد لینی ہو تو ''ۃ'' لائی جائے گی ، اگر پہلے سے ''ۃ'' کے ساتھ مستعمل ہو تو وحدت مراد لینے کے لیے ''واحدۃ'' کی قید بڑھائی جائے گی ، جیسے ''رَحِمْتُهٗ رَحْمَةً وَاحِدَةً'' .

بالفرض والتقدیر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ ''حیضۃ'' میں ''ۃ'' جنس کے لیے ہے اور جنس واحد، تثنیہ اور جمع کو شامل ہوتی ہے تو ہم روایت کے لفظ ''واحدۃ'' کے ساتھ جنس سے وحدت مراد لے لیں گے، کیونکہ واحد بھی جنس کے افراد میں سے ہے۔

نبوی فیصلے کی پیروی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے، سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے اس عثمانی فتویٰ کو قبول فرمایا، امام اسحاق اس کو قوی مذہب قرار دیتے ہیں، اس کے باوجود ''بعض الناس'' حدیث میں ''واحدۃ'' کے لفظ کو راوی کا تصرف کہتے نہیں تھکتے، اس پر سہاگہ یہ کہ ان سے پہلے یہ اعتراض کسی مسلمان سے ثابت نہیں۔

اعتراض نمبر ۲:

جناب تقی عثمانی دیوبندی اس حدیث پر دوسرا اعتراض یوں وارد کرتے ہیں:

[[نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت جو خبرِ واحد ہے، نصِ قرآنی ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۸) کا معارضہ نہیں کر سکتی۔]] (درسِ ترمذی: ۳/ ۴۹۶)

تبصرہ:

۱☆ یہ واضح طور پر منکرینِ حدیث کی روش ہے، وہ یہی خطرناک ہتھیار صدیوں سے ردِّ حدیث کے لیے استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں، ثابت ہوا کہ فتنۂ انکارِ حدیث دراصل تقلیدِ ناسدید کا پروردہ ہے، حالانکہ آیتِ کریمہ کا حکم عام ہے، جس طرح نصِ قرآنی سے حاملہ عورت کی عدت اس کے عموم سے مستثنیٰ ہے کہ: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ٤) یعنی: ''حمل والیوں کی عدت وضعِ حمل ہے'' اسی طرح نصِ حدیث سے خلع والی عورت کی عدت اس آیت کے عموم سے خاص و مستثنیٰ ہے۔

۲☆ یہ آیت ''عام مخصوص منہ البعض'' ہے تو احناف کے نزدیک ''عام مخصوص منہ البعض'' کی تخصیص خبرِ واحد سے بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ''عام مخصوص منہ البعض'' ظنّی ہے اور خبرِ واحد بھی ظنّی ہے، ظنّی کی تخصیص ظنّی سے ان کے نزدیک بلا اختلاف جائز ہے۔

۳☆ اس آیتِ کریمہ کا تعلق طلاق سے ہے، جبکہ حدیثِ مذکورہ خلع کے متعلّق ہے اور خلع طلاق نہیں بلکہ فسخِ نکاح ہے۔

تفسیر الجلالین

مفسرین کے نام:- یہ تفسیر درج ذیل دو مفسرین کی کاوش ہے:

۱☆ جلال الدین المحلی، محمد بن احمد المفسر، الاصولی، الشافعی (۷۹۱......۸۶۴ھ)

۲☆ جلال الدین السیوطی عبدالرحمٰن بن ابی بکر (۸۴۹......۹۱۱ھ)

تفسیر کا نام:- الجلالین.

تفسیر ہٰذا کے عمومی اوصاف:- اس تفسیر میں دو جلال نامی علماء شریک ہوئے ہیں۔ جلال الدین المحلی نے اس تفسیر کو سورۂ کہف سے شروع کر کے سورۂ ناس تک تحریر کیا پھر جب سورہ فاتحہ سے شروع ہوئے تو فوت ہوئے۔ اس کے بعد جلال الدین السیوطی نے اسے مکمل کیا۔ سورۂ فاتحہ سے شروع ہو کر سورہ اسراء تک انہوں نے لکھی۔ یہ تفسیر مختصر اور جامع ہے۔ اپنے اختصار اور آسانی کی وجہ سے یہ لوگوں میں مشہور ہے۔

عقیدہ:- دونوں مصنف اشعری مؤوّل ہیں۔

صفات باری تعالیٰ میں جلال الدین محلی کی تاویلات:-

جلال الدین محلّی نے صفتِ ''رحمت'' کی تاویل ''مستحقین رحمت کے لیے ارادۂ خیر'' سے کی ہے، جیسا کہ ''الرحمٰن الرحیم'' کی تفسیر میں موجود ہے۔ ''الودود'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اپنے اولیاء کے لیے محبوب''، صفتِ ''حیا'' کی تاویل ''ترک'' سے کی ہے اور یہ لفظ ''صفت حیا'' کا لازم ہے، جیسا کہ اس آیت میں واضح ہے: ﴿وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِىٓ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الأحزاب: ٥٣)

انہوں نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا﴾ (الصّف: ٤)

میں ''محبت'' کی تاویل ''نصرت واکرام'' سے کی ہے۔

صفت ''قبضۃ'' کی تاویل ''ملک وتصرف'' اور ''یمین'' کی تاویل ''قدرۃ'' سے کی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں انہوں نے یہ تاویل کی ہے:

﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ (الزمر: ٦٧)

﴿وَجَاۗءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ﴾ (الفجر: ٢٢) میں صفت ''مجیئت'' کی تاویل ''اللہ کے حکم کے آنے'' سے کی

ہے،البتہ: ﴿اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القیامۃ:۲۳)
سے قیامت کے دن مومنوں کے لیے ان کے رب کی ''رؤیت'' ثابت کی ہے۔
استواء والی آیات میں کہتے ہیں کہ جیسے اس کے شایانِ شان ہے، یہ مجمل بات ہے، پھر ﴿اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ﴾ (الفاطر:۱۰) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یعنی وہ اس کو جانتا ہے۔''

جلال الدین سیوطی کی تاویلات:- صفت ''حیاء'' کی تاویل آیت مبارکہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیِیٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلاً مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ (البقرہ:۲۶) میں ''ترک'' سے کی ہے۔
﴿اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ﴾ (البقرہ:۲۱۸) میں صفت ''رحمت'' کو ''ثواب'' سے تعبیر کیا ہے۔ اور
﴿اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ میں صفت ''استهزاء'' کی تاویل ''بدلہ استهزاء'' سے کی ہے۔ اسی طرح
﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۳۱)
میں صفتِ ''محبت'' کی تاویل ''ثواب'' سے کی ہے۔
﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ (البقرہ:۲۱۱)
کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''اتیان'' سے مراد ''اتیان أمرہ'' (اللہ تعالیٰ کے حکم کا آنا) ہے۔
﴿بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتَانِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ﴾ (المائدہ:٦٤) میں ''یدین'' کی تاویل ''سخاوت میں مبالغہ'' اور ''افادۂ کثیرہ'' سے کی ہے، کیونکہ کوئی سخی آدمی سخاوت اپنے ہاتھ سے ہی کرتا ہے۔

احادیث واسانید:- اس تفسیر میں احادیث، اسباب نزول اور آثارِ سلف اکثر بغیر سند و مرجع ذکر کیے گئے ہیں، بسا اوقات مراجع کا ذکر موجود بھی ہے۔

فقہی احکام:- اختصار سے راجح فقہی اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔

لغت، نحو اور شعر:- ترکیب کا ذکر مختصر انداز سے موجود ہے۔

قراءات:- مختصراً قراءات مشہورہ بھی بتاتے ہیں۔

اسرائیلی روایات میں آپ کا انداز:-

بعض آیات کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کے معانی بھی بیان ہیں اور ان پر جرح بھی نہیں، ان میں بعض انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی بھی موجود ہے، جیسا کہ (سورہ صٓ کی تفسیر میں) داؤد علیہ السلام کی آزمائش کا جھوٹا قصہ موجود ہے۔

اھلِ سنت کون؟ حافظ ابو یحییٰ نور پوری

علامہ ابن ابی العز الحنفی (۷۳۱-۷۹۲) امام طحاوی حنفی کی طرف منسوب عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرع (شریعت) وشرحِ (قرآن) کے بارے میں جو کچھ ثابت ہے، وہ سب کا سب دینِ حق ہے، امام صاحب اس فرمان کے ذریعے ان جہمیہ، معطلہ، معتزلہ اور رافضہ کا رد کررہے ہیں، جو حدیث کو متواتر اور آحاد دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ متواتر قطعی السند (اس کی سند میں غور وفکر کی گنجائش نہیں)، لیکن قطعی الدلالۃ (اس کا معنی ومفہوم واضح) نہیں، لہٰذا یقین کا فائدہ نہیں دیتی، اسی لیے انہوں نے صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں قرآنِ کریم کی دلالت کو تسلیم نہیں کیا، پھر ان کا یہ کہنا ہے کہ اخبارِ آحاد علمِ (یقینی) کا فائدہ نہیں دیتیں، نہ تو وہ سند کے اعتبار سے قابلِ حجت ہیں اور نہ متن کے اعتبار سے، اس طرح انہوں نے اپنے دلوں سے ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی گئی معرفت کو دور کردیا ہے، وہ لوگوں کو ان توہمات وخیالات سے بہلاتے ہیں، جن کو انہوں نے عقلی ویقینی دلائل وبراہین کے نام دیئے ہوئے ہیں، درحقیقت ان کے یہ اوہام سورۂ نور (۳۹-۴۰) میں موجود فرمانِ باری تعالیٰ کے مطابق چٹیل میدان میں سراب کی مانند ہیں، جن کو یہ لوگ پانی سمجھے بیٹھے ہیں یا سمندر کی گہرائیوں میں موجود پیچ در پیچ تاریکیوں کی مانند ہیں، جن میں کسی کو اپنا ہاتھ بھی دکھائی نہیں دیتا، دراصل بات یہ ہے کہ جسے اللہ کی عطا کردہ روشنی نصیب نہ ہو، اسے کوئی روشنی فائدہ نہیں دے سکتی۔

تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عقلِ نارسا میں آنے والے ان باطل خیالات کو وحیِ الٰہی پر مقدم کرتے ہوئے صریح نصوص کو چھوڑ دیا ہے، نتیجتاً ان کے دل قرآن وسنت کی نصوص سے رہنمائی حاصل کرنے سے قاصر ہوکر رہ گئے ہیں اور وہ ایسی درست سجھ بوجھ سے بہرہ ور نہ ہوسکے، جو فطرتِ سلیمہ اور فرامینِ نبوی سے میل کھاتی ہو، اگر وہ وحی کو برتری دیتے تو صحیح سمجھ پالیتے، جو کہ فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہوتی، اہلِ بدعت کا ہر گروہ قرآن وسنت کی نصوص کو اپنی بدعت پر پیش کرتا ہے، جو ان کی بدعتی عقل کے مطابق ہو، اسے محکم اور قابلِ حجت سمجھتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہو، اسے متشابہ کہہ کر اس کا انکار کردیتے ہیں اور اس انکار کا نام تفویض رکھ لیتے ہیں، اسی لیے اہلِ سنت نے ان پر سختی سے نکیر کی ہے۔

اہلِ سنت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صحیح نص کو نہ چھوڑتے ہیں، نہ عقل سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کے قول کو اس کے خلاف وقعت دیتے ہیں، سلف صالحین کی کلام میں اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

خبرِ واحد کو جب امت عمل وتصدیق کے ذریعے قبول کرلے تو جمہور کے نزدیک وہ یقینی علم کا فائدہ دیتی ہے اور وہ متواتر کی ایک قسم (متواتر عملی) بن جاتی ہے، اس بارے میں سلف صالحین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیغام رساں کو اکیلا بھیج دیتے تھے، نیز اپنے خطوط بھی فردِ واحد کے ہاتھ ارسال فرمادیتے، جس کی طرف پیغام یا خط بھیجا جاتا تھا، اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ ہم اسے قبول نہیں کرتے، کیونکہ یہ خبرِ واحد ہے۔

جس کے حصے میں ذرا سی بھی سوجھ بوجھ آئی ہے، وہ جانتا ہے کہ اہل الحدیث کے پاس اپنے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی سیرت اور ان کے حالات کے بارے میں وہ علم ہے، جس کا دوسروں کو کبھی وہم وگمان بھی نہیں گزرا، چہ جائیکہ اس کا علم ہو، جس طرح کہ نحویوں کے پاس سیبویہ اور خلیل کے احوال واقوال کا اتنا علم ہوتا ہے، جو دوسروں کے پاس نہیں ہوتا، اسی طرح اطبّاء کے پاس بقراط اور جالینوس کی وہ وہ باتیں ہیں، جو عام لوگ نہیں جانتے، یونہی ہر پیشہ والا اپنے پیشے کے بارے میں دوسروں سے بڑھ کر خبر رکھتا ہے، اگر آپ کسی سبزی فروش سے عطر کے بارے میں یا عطر فروش سے کپڑے کے بارے میں پوچھیں گے تو یہ بہت بڑی جہالت شمار ہوگی۔(شرح العقيدة الطحاوية : ۳۵٤-۳٥٦)

نُشرہ

ابوعبداللہ

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری کہتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

هو من عمل الشّيطان . ''یہ شیطانی عمل ہے۔''

(مسند الامام احمد : ۳ /۲۹٤، سنن ابی داؤد : ۳۸٦۸، الثقات لابن حبان : ۸ /۳۱۵، وسندهٔ صحیح)

ہمام بن منبہ کہتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ انصاری سے نشرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

من عمل الشّيطان . ''شیطانی عمل ہے۔''(مصنف عبدالرزاق : ۱۹۷٦۲، وسندهٔ صحیح)

حافظ ابنِ قیّم رحمہ اللہ نے نشرہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

۱☆ جادو کا علاج جادو کے ذریعے، یہ شیطانی عمل ہے۔

۲☆ جادو کا علاج دم، شرعی تعویذ اور جائز ادویہ سے کرنا، اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ یہ سنت سے ثابت ہے۔

محققین اور جمہور علماء نے بوقتِ مجبوری بھی جادو کا علاج جادو سے کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، مثلاً ابنِ تیمیہ، ابنِ قیّم، حافظ ابنِ حجر، ابنِ ابی العز رحمہم اللہ، کیونکہ جادوگروں، کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جانے کی حرمت کے بارے میں واضح دلائل موجود ہیں، جیسا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أتٰى عرّافا أو كاهنا فصدّقه بما يقول ، فقد كفر بما أنزل على محمّد ﷺ.

''جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس آیا، پھر اس کی بات کو صحیح سمجھا، اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ شریعت کا انکار کر دیا۔''(مسند الامام احمد : ۲ /٤۲۹، السنن الکبریٰ للبیهقی : ۸ /۱۳۵، وسندهٔ صحیح)

امام حاکم رحمہ اللہ(۱ /۸) نے اس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

ثابت ہوا کہ جادو کا علاج جادو سے کرنا کسی صورت جائز نہیں، بلکہ حرام اور توحیدِ الوہیت کے منافی ہے۔

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **كانوا يكرهون التّمائم والرّقٰى والنّشر .**

''وہ لوگ (شرکیہ) تعویذ، دم اور علاج کو پسند نہیں کرتے تھے۔''(مصنف ابن ابی شیبة : ۳۷۵/۷، وسندهٔ صحیح)

قرآن وسنت سے ثابت دم اور دعاؤں سے علاج تو سنت ہے، امام موصوف کی مراد شرکیہ دم، تعویذ اور علاج ہے۔

امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے قتادہ رحمہ اللہ نے نشرہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اسے کرنے کا حکم دیا، انہوں نے پوچھا، کیا میں آپ کی یہ بات آگے نقل کروں؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔(مصنف ابن ابی شیبة : ۳۸٦/۷، وسندهٔ صحیح)

یاد رہے کہ امام سعید بن مسیّب کی اس بات کو حافظ ابنِ قیم کی بیان کی گئی نشرہ کی دوسری قسم پر محمول کریں گے، کیونکہ نشرہ شیطانی عمل ہے، حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں جادوگروں اور کاہنوں کے پاس جانا حرام ہے۔